انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی فلاحی —— مدیر اعزازی: ابوالاعلی سید سبحانی

جلد:۱، شمارہ:۱، نومبر ۲۰۱۵ء/ محرم الحرام۔صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... علی گڑھ

زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ

انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زر تعاون:	اندرون ملک	۱۲۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ:	اندرون ملک	۳۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۳
اللہ ہمیں اس کی توفیق دے	عبدالرب کریمی فلاحی	۵
خدمت خلق: ایک اہم فریضہ	سراج احمد فلاحی	۸
علماء کا مطلوبہ رول	پروفیسر اشتیاق دانش	۱۲
فارغین جامعہ کی خدمات (خصوصی پیشکش بموقع اجلاس عام)	محمد اسماعیل فلاحی	۱۴
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۱۰)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۴۵
شہادت حسینؓ: حق پرستی کی مثال کامل	جوہر جاوید گیاوی	۵۲
غزہ اور غرور ستمگراں	اشتیاق عالم فلاحی	۵۷
وہبہ زحیلی اور فقہ اسلامی کی تجدید	ذوالقرنین حیدر سبحانی	۶۲
''کئی چاند تھے سر آسماں'': ایک مطالعہ	ڈاکٹر محمد افضل فلاحی	۷۰
شعر ونغمہ	سید راشد حامدی فلاحی، نعیم احمد غازی فلاحی، عزیز نبیل، نوشاد اشہر، ارشد جمال صارم، خبیب کاظمی	۷۷
تعارف وتبصرہ	محمد صادق ظلی، سعید اختر اعظمی	۸۱
آپ کے خطوط	قارئین	۸۶
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۸۹
اخبار انجمن	ادارہ	۹۳

خط وکتابت کے پتے

برائے ادارتی امور
ابوالاعلیٰ سید سبحانی، نئی دہلی
شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵
+91-9891051676
abulaalasubhani@gmail.com

برائے انتظامی امور وترسیل زر
سید راشد حامدی فلاحی
شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵
+91-9811126467
s.rashidhamidi@gmail.com

اپنی بات

۳۰،۳۱/اکتوبر و یکم نومبر انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا نواں اجلاس عام مادر علمی میں منعقد ہونے جارہا ہے۔ اجلاس عام کے تعلق سے فارغین جامعہ کے اندر عجیب و غریب قسم کا شوق اور جذبہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ ہمارے اُن سینئر اور مصروف ترین ساتھیوں کو بھی اجلاس عام کو کامیاب بنانے میں اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کرتے آپ دیکھ سکتے ہیں، جس طرح جونیئر اور قریبی سالوں میں جامعہ سے فارغ ہونے والے ساتھی، جو ابھی پوری طرح کارگہ حیات میں قدم نہیں رکھ سکے ہیں، اپنا متحرک اور فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اجلاس عام کے موقع پر ملک و بیرون ملک سے فارغین کی ایک بڑی تعداد مادر علمی کا رُخ کرتی ہے، ملاقاتیں ہوتی ہیں، تبادلۂ خیالات ہوتے ہیں، ڈسکشن اور مباحثے ہوتے ہیں اور زمانہ طالب علمی کی یادیں ایک بار پھر تازہ ہو جاتی ہیں۔

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح اس لحاظ سے اپنے اندر ایک امتیازی شان رکھتی ہے کہ ملک کے مدارس اسلامیہ کے درمیان یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، اور اپنی سرگرمیوں کے اعتبار سے اس کا اپنا ایک نمایاں کردار رہا ہے۔ انجمن کے قیام کا مقصد بالکل واضح تھا، کہ مقاصد جامعہ کے حصول کے لیے طلبہ قدیم کو منظم کیا جائے اور ان کی صلاحیتوں کو مفید اور موثر بنانے کے لیے عملی قسم کی کوششیں کی جائیں، اور جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ چنانچہ انجمن، مادر علمی کے تعلق سے، اپنے قیام کے وقت سے ہی سنجیدہ رہی ہے اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے کسی طرح کا دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اس چیز کا مادر علمی کی جانب سے کھل کر اعتراف بھی کیا جاتا رہا ہے۔ نہ صرف مادر علمی کے تعلق سے، بلکہ فارغین جامعہ کو مجتمع رکھنے اور ان کی صلاحیتوں کے ارتقاء کے لیے بھی انجمن کی جانب سے مختلف اقدامات ہوتے رہے ہیں۔

اس موقع پر جبکہ ملک و بیرون ملک سے فارغین جامعہ کی ایک بڑی تعداد کا مادر علمی میں اجتماع ہو رہا ہے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مادر علمی کا ایک بے لاگ تجزیہ کیا جائے۔ حصولیابیوں پر بارگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالایا جائے۔ کوتاہیوں اور کمزوریوں کا کھل کر اعتراف کیا جائے، عملی قسم کی تدبیروں پر غور و فکر کیا جائے، اور اللہ رب العزت کے حضور اس کے لیے انفرادی و اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جائے۔

مادرعلمی کا تجزیہ کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا لازمی ہے کہ یہ ملک کے عام مدارس کی طرح ایک مدرسہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عظیم مشن اور ایک عظیم تحریک کا حصہ ہے۔ اس کے مقاصد ملک کے عام مدارس کے مقاصد سے بہت ہی اعلیٰ اور بلند حیثیت رکھتے ہیں۔ ''احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ'' جیسے عظیم اور بلند مقصد کا تذکرہ کسی مدرسے کے مقاصد اور اہداف میں دیکھنے کو بمشکل ہی ملے گا۔ قرآن وسنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت۔ وقت کے اہم مسائل پر نظر اور غیر اسلامی افکار ونظریات سے واقفیت۔ گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہوکر وسعتِ قلب ونظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح وتعمیر کے فریضے کی انجام دہی۔ دینی اور دنیوی تعلیم کے بہترین امتزاج اور جامعہ کی اساس سے ہم آہنگ نصاب تعلیم کی تیاری۔ اسلام کی خدمت کے لیے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق فکری، علمی اور تحقیقی مواد کی فراہمی جیسے انقلابی اور عملی قسم کے مقاصد مادرعلمی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ چنانچہ مادرعلمی کا تجزیہ کرتے وقت اور فارغین جامعہ کی خدمات پر گفتگو کے دوران جامعہ کا عام مدارس دینیہ سے موازنہ کرنا، یقیناً ان عظیم مقاصد اور اہداف کی حق تلفی ہوگی۔

مادرعلمی کس حد تک اپنے ہدف کو پاسکی ہے اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک بہت ہی مضبوط پیمانہ فارغین جامعہ کی خدمات ہوسکتی ہیں کہ وہ انفرادی یا اجتماعی سطح پر احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی عظیم جدوجہد میں کس حد تک اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔ الحمدللہ فارغین جامعہ اس وقت ملک وبیرون ملک کے مختلف اداروں میں اور مختلف میدان ہائے کار میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان تمام کی تفصیلات اکٹھا کرنے، اوران کی روشنی میں اپنی حصولیابیوں کا تجزیہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس شمارے میں مولانا محمد اسماعیل فلاحی حفظہ اللہ ورعاہ نے بعض پہلوؤں سے فارغین جامعہ کی خدمات کو یکجا کرنے کی اچھی کوشش کی ہے، لیکن بہرحال یہ ایک ابتدائی قسم کی کوشش ہی کہی جاسکتی ہے، اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس جائزہ کا ایک اور بہت ہی اہم پیمانہ مادرعلمی کا موجودہ نصاب تعلیم، اساتذہ کا علمی وذہنی معیار، طلبہ کی اخلاقی صورتحال اور بحیثیت مجموعی وہاں کا تعلیمی ماحول ہے۔ ان امور کا تجزیہ نہ تو اس تحریر میں کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی ایک دودن کی رواروی میں یہ ممکن ہے، بلکہ اس کے لیے ٹھوس اور منظم کوششیں درکار ہے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ ذمہ داران جامعہ بھی اس سلسلے میں فکرمند ہیں، گزشتہ دنوں جامعہ کی مجلس شوریٰ کا خصوصی اجلاس اس ضمن میں ایک اچھی پیش رفت ہے، امید کہ یہ سلسلہ آگے بڑھایا جائے گا، اور اس میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ ساتھ فارغین جامعہ بھی اپنا مطلوبہ کردار ادا کریں گے، واللہ ولی التوفیق

(ابوالاعلی سید سبحانی)

اللہ ہمیں اس کی توفیق دے

عبد الرب کریمی فلاحی، شعبہ دعوت مرکز جماعت اسلامی ہند،
موبائیل نمبر:9818869018، ای میل:arkareemi@gmail.com

”**جناب** میں ایک الجھن میں ہوں اس کا جواب چاہیے۔ صبح سے دیکھ رہا ہوں آپ لوگ کھانے میں ویج (سبزی) لے رہے ہیں اور ہم لوگ نان ویج (چکن) کھا رہے ہیں، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم سبزی کھاتے اور آپ لوگ چکن کا استعمال کرتے۔ میں نے دیکھا کہ لنچ میں شاید غلطی سے ایک ٹرے نان ویج کی آ گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔“

مذکورہ احساس ایک وطنی ہم سفر ڈاکٹر اشوک سنگھ کا تھا جن سے حضرت نظام الدین۔ چنئی راجدھانی ایکسپریس میں سفر کے دوران دسمبر 1997 میں ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف اعلیٰ تعلیم یافتہ کسی گورنمنٹ ہاسپٹل سے رٹائرڈ پنچ شیل پارک نئی دہلی میں رہائش اختیار کیے ہوئے تھے، اپنے ایک بیٹے اور بیٹی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راقم بھی اپنے دو احباب کے ساتھ چنئی جا رہا تھا۔

میں نے ڈاکٹر اشوک کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ان سے تعارف حاصل کرنے کے بعد کہا کہ سبزی یا گوشت کھانا ہر شخص کی اپنی پسند اور ناپسند پر منحصر ہے، اس میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ایک شخص پوری زندگی گوشت نہ کھاتے ہوئے بھی ایک اچھا مسلمان ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر اشوک معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ٹرین میں ہمارے نان ویج استعمال نہ کرنے کی خاص وجہ کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے آج تک ایسے مسلمان نہیں دیکھے ہیں جو نان ویج (گوشت) نہ کھاتے ہوں۔ جب ان کا تجسس زیادہ بڑھا تو میں نے سرسری طور پر بتایا کہ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے بلکہ ہم لوگ (مسلمان) گوشت کھانے میں بہت احتیاط کرتے ہیں۔ جب تک اس کے حلال ہونے کا یقین نہیں ہو جاتا اسے ہاتھ نہیں لگاتے ہیں۔ مرا ہوا یا جھٹکے سے مارا گیا حلال جانور بھی جیسے بھیڑ، بکری اور مرغی وغیرہ نہیں کھاتے ہیں بلکہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اسلامی طریقہ سے اللہ کے نام پر ذبح کیا

گیا ہو، کسی دیوی، دیوتا یا پیر فقیر کے نام پر ذبح کیا ہوا حلال جانور بھی ہمارے لئے جائز نہیں ہے بلکہ وہ حرام ہے۔ میں نے ذبح کے بارے میں بھی بتایا کہ اس طریقہ سے جانور کے جسم سے سارا خون نکل جاتا ہے جبکہ جھٹکے یا کسی اور طرح سے مارے گئے جانور سے خون کا اخراج نہیں ہوتا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے ایسا گوشت کھانا انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔ قرآن کریم نے آج سے قریب ڈیڑھ ہزار سال قبل مردار اور خون کو حرام قرار دے دیا تھا، اور طبی اعتبار سے اس کی مضرت میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر اشوک بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں میڈیکل سائنس کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ پھر اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم لوگ بھی جھٹکے کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ ذبیحہ اور گوشت خوری کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کے بعد میں نے کہا کہ گوشت خوری کا الزام بلاوجہ مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے، جبکہ سچائی یہ ہے کہ ہمارے ملک کے ہندو دلت اور آدی باسی بالخصوص شمالی ہند کی ریاستوں کے لوگ گوشت کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ بھارت کی قدیم تہذیب بھی اس دعوے کی گواہی دیتی ہے کہ یہاں کے عام باشندے اور سادھو سنت بھی گوشت بلا کراہیت بہت کثرت سے کھایا کرتے تھے۔

میں نے بتایا کہ اسلام نے گوشت اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء کے بارے میں کچھ اصول وضوابط متعین کئے ہیں، جنھیں کسی بھی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے بلاوجہ شکار کرنے یا جانوروں پر نشانہ بازی کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو کھیل اور تماشہ کے لیے کسی جانور پر نشانہ بازی کرتے ہیں، یا انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

طویل گفتگو کے بعد جب ڈاکٹر اشوک اور ان کے بچوں کے سوالات یا اشکالات ختم ہوئے تو میں نے بھی ان سے اپنی ایک الجھن کا تذکرہ کیا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ صبح سے کئی بار شراب پی چکے ہیں بلکہ شراب کی بوتل اپنی بیٹی کو بیگ سے نکالنے کے لیے کہتے ہیں اور ان بچوں کے سامنے پیتے ہیں۔ مہذب سماج میں اسے پسند نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کوئی مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔ آپ میڈیکل سائنس کے طالب علم رہ چکے ہیں اس لئے اس کے نقصانات سے بھی اچھی طرح واقف ہوں گے۔

آج ہمارے سماج میں جتنی برائیاں پائی جاتی ہیں اس کی تہہ میں شراب ہوتی ہے۔ اسلام نے اسے ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے اور سختی سے اس پر پابندی عائد کی ہے۔ استعمال تو دور، اس کے خرید وفروخت اور تجارت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اشوک نے اپنے بارے میں صفائی

دی کہ یہ شراب نہیں ہے، اس میں کسی طرح کا نشہ نہیں ہے۔ یہ فروٹ جوس کی طرح ہے۔ اس کا استعمال ہماری ضرورت یا مجبوری ہے۔ تاہم میں عہد کرتا ہوں اس کو بھی ترک کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

ڈاکٹر اشوک اور ان کے بچوں سے اسلام کے عائلی سسٹم پر بھی تفصیلی گفتگو ہوئی بالخصوص خواتین کے بنیادی حقوق سے متعلق ان کی معلومات دور سے سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھیں، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ البتہ انہوں نے اردو زبان اور مسلمانوں کے کھانوں کے اقسام اور کوالٹی کا دل کھول کر اعتراف کیا۔ دورانِ سفر میری طرف سے ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ممکنہ کوشش رہی۔ ان سے گفتگو کے دوران ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب بھی ان ذہنوں میں بہت سارے سوالات ہیں جن کے بارے میں وہ حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں کاش ہم ایسے تمام بندگانِ خدا تک اسلام کی دعوت پہونچا سکیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

دعوت اور داعیانہ کردار

کوئی دعوت بھی اگر صرف لفظی دعوت ہو اور اس کے ساتھ اخلاقی زور موجود نہ ہو تو وہ کیسی ہی زریں کیوں نہ ہو، اور تھوڑی دیر کے لیے دلوں پر کتنا ہی سحر کیوں نہ طاری کر لے، آخر کار دھویں کے مرغولوں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے، تاریخ پر محض الفاظ سے کوئی اثر نہیں ڈالا جا سکا ہے، اور اکیلی زبان کبھی کوئی انقلاب نہیں اٹھا سکی ہے، الفاظ بھی جبھی مؤثر ہوتے ہیں، جبکہ عمل کی لغت کی رو سے ان کے کوئی معنی ہوں، زبان کا جادو، صابن کے سے خوشنما جھاگ اور بلبلے تو پیدا کر سکتا ہے، مگر یہ بلبلے کسی ایک ذرۂ خاک کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے، اور ساتھ کے ساتھ مٹتے چلے جاتے ہیں، دلیل جب کردار کے بغیر آئے، اپیل جب اخلاص سے خالی ہو، اور تنقید جب اخلاقی لحاظ سے کھوکھلی ہو تو انسانیت اس سے متاثر نہیں ہوا کرتی۔ کردار کی اخلاقی طاقت ہی کسی دعوت میں اثر بھرتی ہے۔ عمل کی شہادت کے بغیر زبان کی شہادت بے کار ہوتی ہے۔

نعیم صدیقی، محسن انسانیت

خدمت خلق: ایک اہم فریضہ

سراج احمد فلاحی، نئی دہلی

خدمت خلق کا لفظ جب بھی ہماری زبانوں پر آتا ہے تو ذہن میں ایک نقشہ سا منے آجاتا ہے کہ ایک کمیٹی ہو جس کے تحت غریبوں میں کچھ رقم تقسیم کر دی جائے، کمبل بانٹ دیئے جائیں، خورو دنوش کے سامان لوگوں کے لیے فراہم کر دیے جائیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدمت خلق کا بہت معمولی حصہ ہے۔

خدمت خلق ایک جامع تصور ہے۔اس کی گہرائی میں جانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ "خلق" کے اندر روئے زمین پر رہنے والے ہر جاندار کا اطلاق ہوتا ہے اوران سب کی حتی الامکان خدمت کرنا، ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ان کے ساتھ بہتر سلوک و برتاؤ کی ہدایت اللہ رب العزت نے بھی دی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی اس سلسلہ میں تاکید کرتی ہیں، دین میں خدمت خلق کے مقام کو سمجھنے سے اس کے وسیع تر مفہوم کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن میں جگہ جگہ ایمان لانے والوں کے جن اہم صفات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، یتیموں کی دیکھ بھال کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔اوران صفات کو نہ اپنانے پر بھڑکتی آگ کی وعید سنائی گئی ہے جس کا نقشہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَة۔إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ۔فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ۔عَنِ الْمُجْرِمِينَ۔مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ۔قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ۔وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ۔وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ۔وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ۔حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ۔(**المدثر: ۳۸ تا ۴۷**)

ہر شخص اپنے کسب کیلیے رہن ہے، دائیں بازوں والے کے سوا، جو جنتوں میں ہوں گے وہ مجروں سے پوچھیں گے: تمہیں کیا چیزیں دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اورحق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگے تھے، اورروزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔

اس آیت کریمہ میں دوزخ میں جانے والے اس کا سبب بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نماز نہیں

پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اس لئے ہمارا ٹھکانہ جہنم بنا۔ گویا نماز پڑھنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا یہ ایمان کے عملی مظاہر ہیں۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی دوسروں کی خدمت میں گزاری، آپ کی دعوت میں مخلوقات کی خدمت پر بہت زور ملتا ہے۔ قربان جایئے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جس نے عالم انسانیت کی خدمت میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ جب آپ نے پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اس وقت اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا: "افشوا السلام ، واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنه بسلام ". (مسند احمد)

سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، راتوں کو قیام کرو، اپنے اس رویے کے نتیجے میں سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، یہ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ گویا جنت میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔
ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " من لا یرحم لا یرحم "(بخاری، کتاب الادب) جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے۔ اس ارشاد میں نہایت مؤثر انداز میں مخلوق پر رحم کرنے اور انسانوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ اسلام کی رحمت عام ہے، جس کی تعلیم رحمۃ للعالمین نے دی ہے، انسان انسان ہونے کی حیثیت سے ہمدردی کا مستحق ہے، خواہ اس کا تعلق کسی قوم اور مذہب سے ہو، خدا کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی مخلوق کے حق میں مہربان ہوتے ہیں۔ لیکن جن کا برتاؤ مخلوق کے ساتھ ظالمانہ ہوتا ہے وہ یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا جو لوگ انسانیت کے رشتے کو کاٹیں گے اللہ تعالیٰ ان سے اپنی رحمت کے رشتہ کو کاٹے گا۔

خدمت خلق مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی ہے۔ خرم مرادؒ کہتے ہیں: " دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم سے بچایا جائے۔ اگر کسی کا گھر جل رہا ہو اور اس کو بچایا جائے تو یہ خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد وہ آگ میں گرنے والا ہو اور اس کو بچایا جائے تو کیا یہ خدمت خلق نہیں ہے؟ یقیناً یہ بھی خدمت خلق ہے "۔ گویا مومن کی پوری زندگی چاہے وہ دعوتی نوعیت کی ہو، امدادی نوعیت کی ہو، خیر خواہانہ ہو سب کچھ اس خدمت کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن اس وقت امت کا سواد اعظم صرف مالی تعاون کو "خدمت خلق" سمجھتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ مالی تعاون ضروری تو ہے لیکن اگر ہم اس کے ساتھ انسانوں کی ابدی کامیابی میں تعاون نہ کریں، ان کو آگ میں جلنے سے نہ روکیں تو ہم سے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، دریافت کیا جائے گا۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ دین میں خدمت خلق کا کتنا جامع تصور موجود ہے۔ اس کی

عکاسی انسان کی پوری زندگی، سوچ، ذہن، دل و دماغ سے ہونی چاہیئے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ایک شعبہ قائم کر لے اور مطمئن ہو جائے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ہر صاحب ایمان کو دل کی گہرائیوں سے اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ کیا وہ ان خدمات کو انجام دے رہا ہے۔

"خدمت خلق" کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس پیسہ ہو، بلکہ اس کے بغیر بھی آدمی پوری زندگی مخلوقات کی خدمت کر سکتا ہے۔خدمت خلق یہ بھی ہے کہ آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ایک آدمی مال سے خالی ہاتھ تو ہو سکتا ہے لیکن وہ دل سے دوسروں کا خیال رکھ سکتا ہے یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔آپ کی زبان سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، جب بھی بولیں بھلی بات بولیں ، دوسروں کا برا نہ سوچیں، ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، لوگوں سے مسکرا کر ملیں یہ سب انسانوں کی خدمت میں شامل ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"**المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده**" مسلم وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

انسان کے لئے دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس کو شدید محبت ہوتی ہے، لیکن اگر انسان کو خدا پر پختہ یقین ہو تو وہ کبھی بھی خدا کی محبت پر مال کو ترجیح نہ دے گا، ایسی صورت میں اس کو اپنے رب کا وعدہ ہمیشہ یاد رہے گا" میرے راستے میں خرچ کرو میں اسے دو چند کر کے دوں گا۔حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا ہی پیارا جملہ ارشاد فرمایا تھا:"اپنا مال خداوند کے پاس رکھو، کیونکہ انسان کا دل وہیں ہوتا ہے جہاں اس کا مال ہوتا ہے"۔

مال کو جمع کر کے رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور مال جمع کر کر رکھنے والوں کے لئے تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ انسانی ہمدردی کا بھی تقاضہ ہے کہ اپنے جیسے بے سہارا انسانوں پر اپنا مال خرچ کیا جائے۔اس کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی بہت مالدار ہو۔تھوڑا مال ہو تب بھی اس طرح کی خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔کیوں کہ اللہ ہر ایک کی استطاعت سے بخوبی واقف ہے۔وہ دلوں کے راز جانتا ہے۔اور اللہ کے نزدیک نیتوں ہی پر نیکیاں ہیں۔ایک حدیث میں ہے"**ان اللــه لا ينظر الى صـور كم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم** "اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے، (مسلم: کتاب البر)

خدمت خلق کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی صلاحیت، طاقت وقوت راہ خدا میں لگائے، اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور حالات کے لحاظ سے وہ بدلتی بھی رہتی ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اندھے کو راستہ نہیں ملتا، تم نے اسے راستہ بتا دیا تو یہ بھی خدمت ہے۔راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔اس طرح کے بے شمار مواقع قدم قدم پر آتے رہتے ہیں ضرورت بس دل کی رضامندی کی ہے، نیت کی درستگی کی ہے، اور اللہ پر پختہ ایمان کی ہے۔

قرآن کریم میں اجتماعی کاموں کو ترجیح دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت کو مجتمع رہنے کی تاکید کی ہے۔ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کی نماز کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب باتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اگر خدمت خلق کا فریضہ بھی ایک نظم اور اجتماعیت کے ساتھ ہو تو وہ بھی نہایت اچھے طور سے انجام پائے گا۔ کیونکہ اجتماعی کاموں میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جلد از جلد پورے ہوتے ہیں، سسٹم اور نظم کے تحت ہوتے ہیں۔

نیکی اور خدمت کے بہت سارے کام ہیں، اگر ان کی اہمیت، فضیلت اور اس پر اللہ نے جو اجر رکھا ہے لوگوں کو معلوم ہو جائے تو لوگ دل کھول کر خرچ کریں۔ لیکن یہ سارے کام تبھی درست اور باعث اجر وثواب ہوں گے جب آدمی کی نیت خالص ہو کوئی اور غرض وغایت نہ ہو، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ انسان کو اس کے کام کا اجر وثواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کہے کہ: إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوراً۔ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْماً عَبُوساً قَمْطَرِيراً (الدھر: ۹، ۱۰) ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے، جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

اگر ہماری نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ جو کچھ ہم خدمت کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں، لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں، کسی کا دل نہیں دکھاتے یہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں نجات کے لئے ہے تو اس پر اجر ہے اور دوسرے فوائد بھی کئی گنا حاصل ہوں گے۔ لیکن نیت یہ نہ ہو تو آپ بیٹھ کر بار بار اس بات کا رونا روتے رہیں کہ ہم نے اتنا کام کیا اس کے باوجود لوگ ہمیں نہیں مانتے، ہماری نہیں سنتے تو یہ سب چیزیں نیت کی خرابی کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ یہ سارا کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بندوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہے، ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہم پر یہ اللہ کا حق ہے۔ ایک لمبی حدیث میں اس کا بہت اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ بندے سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، پانی نہیں پلایا، کپڑا نہیں پہنایا اور بندہ حیرت سے کہے گا یا اللہ تو تو سب کا پروردگار ہے تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے، تو کیسے پیاسا رہ سکتا ہے تو بے لباس کیسے رہ سکتا ہے اس پر اللہ کہے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا، اگر تو اسے کھلاتا، پلاتا، کپڑے پہناتا تو آج اس کا اجر یہاں پاتا۔

خرم مرادؒ نے کتنی پیاری بات کہی ہے: " خدمت خلق کا کام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اس کام کے ذریعے انسانیت کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح رحمت بن جائیں گے تو اس وقت ہمارے وہ خواب بھی پورے ہوں گے جو ہم دنیا میں دین کے غلبے اور اس کی اقامت کے لیے دیکھتے ہیں۔ ان شاء اللہ "۔

علماء کا مطلوبہ رول

پروفیسر اشتیاق دانش، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔
موبائیل نمبر: 09871991729

اسلام میں علم اور تعلیم کی اہمیت سے ہر صاحب علم مسلمان بخوبی واقف ہے۔ غار حرا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی چند آیتیں نازل ہوئیں وہ علم، تعلیم وتعلم اور فن کتابت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ اللہ تعالی کے نسل انسانی پر ان گنت احسانات ہیں مگر ان میں سے علم وتعلیم جیسے احسانات کو اولیت دینا بے مقصد نہیں ہے۔ دراصل علم ہی انسان کو دوسری مخلوقات سے ممیّز کرتا ہے اور اسی علم کی بدولت وہ دوسری زیادہ طاقتور مخلوقات پر فوقیت وغلبہ حاصل کئے ہوئے ہے۔

علم انسان کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے بھی ملتا ہے یعنی وحی کی شکل میں جو اس نے اپنے برگزیدہ بندوں پر نازل کی اور وہ بھی علم ہے جو انسان اپنے تجربے سے، یا عقل کے استعمال سے حاصل کرتا ہے۔ چونکہ عقل انسان کو اللہ تعالی سے ملی ہے اس لیے عقل اور تجربے سے حاصل کردہ علم بھی اللہ تعالی ہی کا عطا کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعت علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں تقسیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔

تخلیق آدم کے تعلق سے اللہ تعالی اور فرشتوں کے درمیان ہونے والا مکالمہ قرآن مجید میں اس مقصد سے بیان ہوا ہے کہ علم کی اہمیت ہر کس وناکس پہ واضح ہو جائے۔ اور علم اسماء کا ذکر مجرداً آیا ہے یعنی صفات دین ودنیا کی قید سے آزاد۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو عالم وہ شخص ہے جس کے پاس علم اسماء ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ وحی اور اس کی بنیاد پر پیدا ہونے والے علوم کے ساتھ ان علوم کو بھی جانتا ہے جنہیں اجتماعی انسانی عقل وشعور نے جنم دیا ہے۔ قرآن مجید دونوں علوم میں فرق کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لیے ہمیں یہ فرق کر کے غیر قرآنی عمل کا ارتکاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

آسان لفظوں میں ایک عالم کو اپنے مذہب کے ساتھ اس دنیا کو بھی جاننا چاہئے جس میں ہم جی رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں عالم کی تعریف یہ قرار پائی ہے کہ وہ قرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ

رکھتا ہے۔ اگر اس کے پاس اس دنیا کا بھی علم ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں تو یہ اضافی علم ہے۔ مگر فی الواقع ہونا یہ چاہئے کہ قرآن اور حدیث وفقہ کے ساتھ گردوپیش کی دنیا کے علم کو بھی لازمی قرار دیا جائے ہر اس شخص کے لیے جسے ہم عالم کہتے ہیں۔

اگر ہم اسلامی تاریخ کا بالخصوص علوم اسلامی کا مطالعہ کریں تو ہمیں دینی و دنیاوی علوم کی تفریق نظر نہیں آتی۔ علماء قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ کے ساتھ اپنی دنیا کو بھی بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے سماجی رول کو بخوبی انجام دیا۔

عالم کو بالکل ویسے ہی ہونا چاہئے جس طرح آج کل دانشور ہوتے ہیں۔ عالم کو اسلام کے گہرے مطالعے کے ساتھ اس دنیا کی بھی پوری سمجھ ہونی چاہئے جس میں ہم جی رہے ہیں، تاکہ بدلتے حالات میں ابھرنے والے نئے مسائل کے بارے میں صحیح اسلامی تعلیمات کو واضح کر سکے۔

ذرا ہم قرآن، حدیث اور فقہ کے فرق کو سمجھتے ہیں۔ قرآن وہ کلام ربانی ہے جو آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حدیث وہ کلام ربانی ہے جو نبیؐ کی زبان سے ادا ہوا، یا وہ عمل ہے جسے آپؐ نے انجام دیا یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا تو اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ خاموش رہ کر اس کی اجازت دی۔ قرآن اور حدیث کو سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے درکار علم کو فقہ کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں فقہ قرآن وحدیث کی انسانی تفہیم کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تبدیلی ممکن نہیں لیکن فقہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی کسی خاص زمان ومکان میں تفہیم وتنفیذ کیسے ممکن ہوگی، اگر عالم کو زمان ومکان کا علم ہی نہیں ہوگا؟

ہمارے عہد میں علماء کا کردار ان کی استعداد ومیلان کے مطابق مختلف ہوسکتا ہے۔ قرآن وحدیث اور ''ترقی پذیر'' فقہ کے گہرے مطالعے کے ساتھ اپنے زمان ومکان کا گہرا شعور اور علم بھی ضروری ہے۔ ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں وہ سابقہ ادوار کے مقابلے میں زیادہ کمپلیکس ہے اور کثیر الجہات ہے۔ شاید کیا، یقینی طور پر کسی ایک شخص کے لیے ممکن نہیں کہ ہماری اس دنیا کے تمام پہلوؤں کا تنہا مطالعہ کر سکے اور اچھی طرح سمجھ بھی سکے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء اجتماعی اجتہاد کی ضرورت کو تدریجاً محسوس کرتے جا رہے ہیں۔ اگر ہمارا زمانہ کثیر الجہات ہے تو اسی کے ساتھ بعض ایسی سہولیات سے بھی فیضیاب ہے جو ہمارے آباء واجداد کو میسر نہیں تھیں۔ کمپیوٹر ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کر لی جائے تو علوم کی تفہیم وتحصیل بہت آسان ہوجاتی ہے۔ مقام شکر ہے کہ علماء کو قدرے اس کا احساس ہو رہا ہے اور گو اس تعلق سے مطلوبہ تبدیلی کی رفتار سست ہے مگر اس کی ضرورت کا شدید احساس بہرحال پایا جاتا ہے جس کی قدر اور ہمت افزائی ہونی چاہئے۔

(بقیہ صفحہ ۷۶/پر)

خصوصی تحریر

فارغین جامعہ کی خدمات

محمد اسماعیل فلاحی، سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح۔موبائیل نمبر:09198502466

فارغین جامعہ کی خدمات پر مولانا محمد اسماعیل فلاحی حفظہ اللہ ورعاہ کی یہ ایک تفصیلی تحریر ہے۔اس پر مولانا نے کافی عرصے تک کام کیا ہے۔ باوجود یہ کہ فارغین جامعہ کی خدمات پر اب تک کی یہ سب سے تفصیلی اور جامع کوشش ہے، لیکن اس بات کا پورا امکان بلکہ یقین ہے کہ مختلف میدانوں میں فارغین جامعہ کی خدمات رہ گئی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کرانے سے پہلے ادارہ حیات نو نے مناسب سمجھا کہ حیات نو کے ذریعہ اس کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس میں جو کچھ کمیاں رہ گئی ہیں، یا جن امور کا احاطہ نہیں کیا جاسکا ہے، ان کو دور کیا جاسکے۔ فارغین جامعہ سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کی فراہمی میں ادارے کا ممکنہ تعاون فرمائیں۔ **(مدیر)**

جامعۃ الفلاح کو قائم ہوئے پچاس سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا۔ ماہ اکتوبر کے اواخر میں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا اجلاس عام منعقد ہونے جارہا ہے۔ امید کی جارہی ہے کہ ملک وبیرون ملک سے بڑی تعداد میں فارغین جامعہ اس اجلاس میں شرکت فرمائیں گے۔اس موقع پر تھوڑی دیر ٹھہر کر اپنا احتساب اور جائزہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، کس منزل تک پہنچے ہیں اور ابھی کتنی منزلیں باقی ہیں۔ دنیا کی زندہ قومیں کسی منزل پر پہنچ کر دم نہیں لیتیں، اگلی منزل ان کے شوق پرواز کو آواز دے رہی ہوتی ہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ.

(ایک ایک نفس کو دیکھتے اور جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا پیش کیا اور کیا تیاری

کی ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا.

(اپنا جائزہ لے لو اور احتساب کر لو قبل اس کے کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔)

افراد ہوں یا اقوام، سب کے لیے فطرت کا یہ اصول ہے کہ جو اپنا جائزہ لے گا اور اپنا احتساب کرے گا، اور اس کے مطابق اپنی اصلاح کرے گا، اپنی غلطیوں کی تلافی کرے گا اور اپنی رفتار میں تیزی لائے گا، زندگی کے میدان میں وہی آگے بڑھے گا۔ کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ع

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
جو کرتی ہے ہر زماں اپنے عمل کا حساب

کسی فرد، ادارہ، تنظیم اور قوم کا جائزہ لینے کے لیے پہلے یہ متعین طور سے جاننا ضروری ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے اور اس کا نصب العین اور گول کیا ہے۔ یہ جانے بغیر حقیقی طور سے جائزہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ جامعۃ الفلاح کے قیام کا ہدف اور مقصد کیا تھا۔ اس کے بانی اور مؤسسین اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جامعۃ الفلاح کے اغراض و مقاصد اس کے دستور میں یوں درج ہیں:

''جامعہ کا مقصد ایسے افراد کی تیاری ہے جو

الف۔ قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

ب۔ جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر ہو اور جو غیر اسلامی افکار و نظریات سے بخوبی واقف ہوں۔

ج۔ جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

د۔ جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ہو۔

ہ۔ جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۲- ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو، اور جو جامعہ کی اساس سے ہم آہنگ ہو۔

۳۔ اسلام کی خدمت کے لیے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق فکری، علمی اور تحقیقی مواد فراہم کرنا۔

۴۔فنی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا اس طرح نظم کرنا کہ جامعہ کا بنیادی مقصد متأثر نہ ہو۔

قرآن وسنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت، وقت کے اہم مسائل پر نظر، غیر اسلامی نظریات سے واقفیت، اسلامی اخلاق و کردار اور احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ، یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی کوئی حد نہیں۔ ایسی کوئی منزل نہیں آسکتی جہاں پہنچ کر ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم مکمل ہوگئے۔ یہ کام زندگی بھر کا ہے اور ہمیشہ جاری رکھنے کا ہے۔ ایسا وقت کبھی نہیں آسکتا کہ ہم یہ سمجھیں کہ اب ایسی منزل آگئی جس کے آگے اب کوئی منزل نہیں۔ یہاں تو حال یہ ہے بقول شاعر ع

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ بحیثیت مجموعی احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ اپنے سینہ میں موجزن پاتے ہیں اور بعض استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر سبھی گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے اوپر اٹھ کر معاشرے کی اصلاح وتعمیر کا فریضہ اپنی طاقت بھر انجام دے رہے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی جماعت اسلامی کے ساتھ ہے، کوئی الگ سے کسی نظم سے جڑا ہوا ہے اور کوئی انفرادی حیثیت سے اس کام میں لگا ہوا ہے۔ بشری کمزوریوں کی بات دوسری ہے، انسان کی زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا حال بھی ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا تھا، آپ کی مجلس میں کیفیت کچھ اور ہوتی تھی اور گھر میں، بال بچوں میں اور کاروبار میں ہوتے تو اس کیفیت میں فرق آجاتا جس کا اظہار انھوں نے نبیؐ سے کیا بھی ہے۔

جو باتیں میں نے عرض کی ہیں، بعض لوگ اس سلسلہ میں کچھ ریزرویشن رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں ع

گل بھی وہی، چمن بھی وہی، فرق نظر نظر کا ہے

جہاں تک نصابِ تعلیم کی بات ہے تو اس میں کوئی دورائے نہیں کہ وہ علمِ قدیم صالح اور علم جدید نافع کا حسین سنگم ہے جس پر برابر غور وفکر ہوتا رہتا ہے اور بہتری لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کو مثال سے سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک دور وہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند ایک سرے پر تھا اور اس کے بالکل دوسرے سرے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تھی۔ علامہ شبلی نعمانی اور ان کے رفقاء نے اصلاح نصاب کی کوشش کی تو دارالعلوم ندوۃ العلماء وجود میں آیا، جو دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی درمیانی کڑی بنا۔ جامعۃ الفلاح کو آپ یوں سمجھیں کہ اب وہ دارالعلوم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی

درمیانی کڑی ہے۔

اس وقت ہم کچھ متعین پہلوؤں سے فارغین جامعہ کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔

الف۔قرآنی خدمات

ب۔تعلیمی وتدریسی خدمات

ج۔دعوتی وتحریکی خدمات

د۔سماجی سیاسی اور دیگر میدانوں میں خدمات

ہ۔طبی خدمات

و۔ تصنیف،ترجمہ اور صحافت کے شعبہ میں خدمات

ز۔ادبی خدمات

قرآنی خدمات:

فارغین جامعہ کی قرآنی خدمات کے تذکرہ میں سب سے اہم کام نیپالی زبان میں علاؤالدین فلاحی کا ترجمہ قرآن ہے۔ نیپال دنیا کا غریب ترین ملک ہے جو جنوبی ایشیا میں ہندوستان اور چین کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت ہندو، بودھ اور کمیونسٹ ہے۔نسلی اعتبار سے دوقسم کی نسلیں پہاڑی اور مدھیشی صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ یہاں کی قومی زبان نیپالی ہے۔مسلمان اس ملک کے طول وعرض میں پہاڑ اور ترائی دونوں جگہ صدیوں سے آباد ہیں۔ مساجد، مدارس اور مکاتب کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کا کام برسوں سے ہوتا رہا ہے۔ ہندوستان کے بڑے مدارس کے فارغین کی بھی اچھی تعداد ہے۔لیکن غیر مسلم اکثریت میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی فکر کمیاب بلکہ نایاب رہی ہے، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کے فارغین نے اس طرف خاص توجہ دی اور اس مقصد کے لیے اسلامی سنگھ نیپال کا قیام ۲۶/جنوری ۱۹۸۶ میں عمل میں آیا۔اس تنظیم نے روزِ اول سے غیر مسلمین میں دعوتِ دین کی طرف توجہ دی۔قرآن کریم کا ترجمہ نیپالی زبان میں اب تک نہیں ہوسکا تھا۔آئے دن حق کے متلاشی اسلامی لائبریری گھنٹہ گھر کاٹھمنڈو آتے اور نیپالی زبان میں قرآن کا مطالبہ کرتے۔

علاؤالدین فلاحی نے ۱۹۹۱ء میں جامعۃ الفلاح سے فضیلت کی تکمیل کے بعد اسلامی سنگھ نیپال کے دفتر میں آفس سکریٹری کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی جناب غلام رسول فلاحی نے جو اس وقت اسلامی سنگھ کے امیر ہیں، ان سے کہا: ''آپ نیپالی زبان بہتر بنائیں۔کتب اور اخبارات کی مدد سے اور کاٹھمنڈو کے نیپالی ماحول سے زبان میں مہارت حاصل کریں۔آپ کو نیپالی زبان میں دینی کتب کے

ترجمے کرنے ہیں۔'' علاء الدین فلاحی نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ کاٹھ منڈو کے دوسالہ قیام کے دوران انھوں نے اس طرف خاص توجہ دی۔ جامعۃ الاصلاح رام نگر بھوٹہا میں درجہ ہفتم تک نیپالی وہ پڑھ چکے تھے اس وجہ سے اسے مزید ترقی دینے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ پھر ان کا داخلہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ہوگیا۔ اس کے کچھ سالوں بعد ریڈیو پاکستان نے نیپالی سروس شروع کی، جسے چلانے کی ذمہ داری شہید فیضان احمد فلاحی اوران کو دی گئی۔ دوسال تک نیپالی زبان میں خبروں کا ترجمہ کرنے اور پھر ریڈیو پر پیش کرنے کے عمل نے نیپالی زبان میں مزید نکھار پیدا کردیا۔

۲۰۰۴ء میں تعلیم کی تکمیل کے بعد کاٹھ منڈو پہنچتے ہی اس وقت کے اسلامی سنگھ کے جنرل سکریٹری نظرالحسن فلاحی نے ان سے کہا کہ تنظیم نے قرآن کے نیپالی زبان میں ترجمہ کا فیصلہ کیا ہے اوراس سلسلہ میں مالیات کی فراہمی قرآن اکیڈمی لندن کے ڈائرکٹر جناب حافظ منیرالدین صاحب نے قبول کرلی ہے، لہٰذا آپ کام شروع کردیں۔ اس کام میں معاونت کے لیے ڈاکٹر عمران انصاری اور بشیر احمد فلاحی کو مقرر کیا گیا۔ علاؤالدین فلاحی نے ترجمہ کا کام ۱۲؍مئی ۲۰۰۴ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کاٹھ منڈو کے سینا منگل میں شروع کیا۔ انھوں نے یہ ترجمہ براہِ راست قرآنی آیات کو پیشِ نظر رکھ کر کیا، البتہ اس سلسلہ میں درج ذیل تراجم سے مدد لی:

۱- تفہیم القرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۲- ہندی ترجمہ قرآن — مولانا فاروق خان
۳- تدبر قرآن — مولانا امین احسن اصلاحی
۴- احسن البیان — مولانا محمد جونا گڑھی

شکل یہ ہوتی کہ علاؤالدین فلاحی ترجمہ کرتے جاتے اور بشیر احمد فلاحی عربی زبان کے نقطۂ نظر سے اور جناب ڈاکٹر عمران انصاری نیپالی زبان کے نقطۂ نظر سے اصلاح کرتے جاتے۔ انھیں اسلامی سنگھ کی طرف سے صرف ترجمہ کی ذمہ داری دی گئی تھی لیکن انھوں نے تفہیم القرآن، تدبر قرآن اوراحسن البیان کی مدد سے تمام ۱۱۴؍سورتوں کا تعارف، پس منظر، شان نزول، پچھلی سورتوں سے تعلق، نظم کلام اور مصطلحات کی تشریح بھی تفصیل کے ساتھ کی۔

ترجمہ کی تکمیل کے بعد دوکمیٹیاں بنائی گئیں۔ ایک کمیٹی علماء کرام پر مشتمل تھی، اس کمیٹی نے آیات کو پیشِ نظر رکھ کر ترجمہ بغور پڑھا اور تصحیح کی۔ اس کمیٹی میں ذوالفقار علی فلاحی علیگ، نظرالحسن فلاحی، بشیر احمد فلاحی اور محمد حسن حبیب فلاحی علیگ، محمد عالم اصلاحی، غلام رسول فلاحی اور عامر عارف فلاحی تھے۔ دوسری کمیٹی نیپالی زبان کے ماہرین پر مشتمل تھی جس نے زبان کی غلطیوں کی اصلاح کی۔ اس کمیٹی میں ڈاکٹر

عمران انصاری، عرفان پوکھریل اور محمد ذاکر حسین تھے۔

قرآنی خدمات کے ضمن میں دوسرا اہم کام مولانا نسیم غازی فلاحی کا ہے۔ دعوت کے سلسلے میں عملی وفکری دونوں میدانوں میں مولانا کی خدمات معروف ہیں۔ سیرت پر ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی معروف ترین کتاب ''محمد عربیؐ'' کے ہندی ترجمہ سے لے کر تفہیم القرآن کا ہندی ترجمہ اور متعدد کتابوں کی تصنیف آپ کے اہم کارنامے ہیں۔

تفہیم القرآن کا ہندی ترجمہ اب تک نہیں ہوسکا تھا، جبکہ ہندوستان میں دعوت دین ہی کے تناظر میں نہیں بلکہ عمومی طور پر ملت اسلامیہ ہند کے تناظر میں بھی دیکھا جائے تو تفہیم القرآن کا ترجمہ ہندوستان میں مسلم وغیر مسلم سب کی ضرورت ہے۔ اس اہم اور بڑے کام کا بیڑہ مولانا نسیم احمد غازی فلاحی نے اٹھایا۔ الحمدللہ آپ کی کوششوں سے تفہیم کی دو جلدیں ہندی زبان میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تیسری جلد کا انتظار ہے۔ مولانا نسیم غازی فلاحی صاحب کی ایک اہم کوشش قرآن کے بعض الفاظ پر غیر مسلموں کے ذہنوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہے۔

قرآنی خدمات کے ضمن میں ایک اور اہم کام جناب مسیح الزماں فلاحی کا ہے۔ قصبہ لار، ضلع دیوریا کے رہنے والے ہیں۔ جامعۃ الفلاح سے ۱۹۸۷ء میں عالمیت وفضیلت کے بعد ندوۃ العلماء سے ادب میں تخصص کیا ہے۔

فی ظلال القرآن سید قطب شہیدؒ کی معرکۃ الآراء تفسیر ہے، یہ تفسیر بیک وقت تحریکی بھی ہے، دعوتی بھی ہے اور تربیتی بھی ہے۔ ان کی کتاب معالم فی الطریق کے بعض مندرجات پر ان کے خلاف مقدمہ قائم ہوا اور انھوں نے مسکراتے ہوئے تختہ دار کو چوم لیا۔ اس عظیم مجاہد کی یہ انقلابی تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔ اس تفسیر کا ترجمہ مولانا سید حامد علی مرحوم نے شروع کیا تھا۔ پہلے ایک جلد میں پارہ عم کا ترجمہ کیا تھا، اس کے بعد سورہ فاتحہ سے لے کر سورہ مائدہ تک چار جلدوں میں ترجمہ کر پائے تھے کہ ان کی صحت اس لائق نہیں رہی اور وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ یہ ترجمہ اتنا سلیس اور زوردار ہے کہ ترجمہ محسوس نہیں ہوتا، ان کے کیے ہوئے ترجمہ کی کچھ اور بھی خصوصیات ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ ترجمہ کے اس کام کو جناب مسیح الزماں فلاحی نے آگے بڑھایا ہے، اور اب تک سورہ انعام سے سورہ حج تک کا ترجمہ مکمل ہوگیا ہے جو ضخیم پانچ جلدوں میں ہے۔ آگے ترجمہ کا کام جاری ہے۔ بڑی محنت اور لگن سے وہ اس ترجمہ میں مصروف ہیں۔

اس کے علاوہ محمد علی صلابی کی ایک کتاب کا دو جلدوں میں ''فتح وغلبہ کا قرآنی تصور'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر مجدی ہلالی کی دو کتابوں کا ترجمہ ''طوفان آرہا ہے'' اور ''نصرت وغلبہ کی بشارت کس

کے لیے'' ناموں سے کیا ہے۔ یہ کتابیں بھی قرآنی تناظر میں ہیں۔

مسیح الزماں فلاحی کے مضامین سہ روزہ دعوت (اردو) اور الدعوۃ عربی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ تلکہنا میں تدریسی خدمات بھی انجام دی ہے۔ ۲۰۰۰ء میں مدرسہ اسلامیہ دارالسلام اور ۲۰۰۶ء میں جامعۃ الطیبات ان دواداروں کی بنیاد قصبہ لار میں رکھی ہے۔ عیدگاہ قصبہ لار کے امام ہیں اور مقامی طور سے دعوتی واجتماعی سرگرمیاں جاری ہیں۔

فلاحیوں میں متنوع قسم کی صلاحیتوں کی مالک ایک غیر معمولی شخصیت ڈاکٹر محی الدین غازی کی ہے۔ یہ جید اور ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اسد سبحانی مصنف ''البرہان فی نظام القرآن'' کے لائق فرزند ہیں۔ جامعۃ الفلاح سے عالمیت وفضیلت کرنے کے بعد، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے شرعی علوم میں گریجویشن کیا۔ اس کے بعد دہلی یونیورسٹی سے عربی زبان وادب میں ایڈوانس ڈپلوما کیا۔ ساتھ ہی یونیورسٹی سطح کی تدریس (ایجوکیشن) کی ٹریننگ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے ''مواقف تفسیریة لابن هشام الأنصاری فی كتابه مغنی اللبیب'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کی، جس پر انہیں ڈاکٹریت کی ڈگری ملی۔ موصوف ''دار الشریعة للاستشارات المالية والقانونية'' دبئی میں ہیڈ آف ریسرچ تھے۔ اس وقت کیرلا میں مقیم ہیں، اور مختلف علمی وفکری محاذوں پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کا ایک اہم علمی کام مولانا امانت اللہ اصلاحی صاحب کے افادات کی روشنی میں ''اردو تراجم قرآن پر ایک نظر'' ہے۔ یہ قسط وار حیات نو اور پاکستان کے معروف علمی مجلّہ ''الشریعہ'' میں پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آپ مختلف عالمی اداروں میں بھی سرگرم رول ادا کر رہے ہیں۔ مجمع فقهاء الشريعة بامريكا (فقہ اکیڈمی، امریکہ) جس کے ممبر دنیا بھر کے تقریبا صرف چالیس منتخب فقہاء ہیں، آپ بھی اس کے ممبر ہیں۔ رابطة علماء اهل السنة کی مجلس تاسیسی اور اس کی مجلس الامناء، نیز الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین جس کے صدر علامہ یوسف القرضاوی ہیں، اس کے ممبر ہیں۔ عربی زبان میں قرآنیات کی ایک معروف ویب سائٹ ہے ملتقى اهل التفسير آپ اس کے بھی سرگرم ممبر ہیں۔ اس ویب سائٹ کے ممبروں کی تین قسمیں ہیں، عام، خاص اور فعال، سو سے زیادہ تفسیری مقالات اور مراسلے جس کے ہوں وہ فعال ممبر کہلاتا ہے۔ ان کے ڈیڑھ سو سے زیادہ مقالات اس سائٹ پر ہیں۔ اس کے علاوہ امارات، اردن، جیبوتی، عمان اور ہندوستان وغیرہ درجنوں ممالک میں اسلامی بینکنگ کے سلسلہ میں سفر کر چکے ہیں۔ سراج الدین اودھی کی ہدایۃ النحو کی شرح وتحقیق کا کام بھی آپ نے کیا ہے اور متعدد کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں، مثال کے طور پر استاذ عبد المجید النجار کی کتاب کا اردو ترجمہ ''فکری

وحدت میں آزادیٔ رائے کا کردار‘‘ ، ڈاکٹر صلاح سلطان کی دو کتابوں کا اردو ترجمہ ’’عصر حاضر میں ازدواجی زندگی کے مسائل ،مغرب کے تناظر میں‘‘ اور ’’محبت کی کنجیاں‘‘ کے نام سے کیا ہے۔آپ کے پچاس سے زیادہ عربی مقالات مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔آپ کے مقالات میں محور و مرکز کی حیثیت قرآن کریم کو حاصل ہوتی ہے۔اس کے علاوہ مختلف سیمناروں اور کانفرنسوں میں بھی مقالے پیش کرتے رہے ہیں۔ان کے علاوہ ان کے سیکڑوں اردو مضامین دعوت، رفیق منزل اور دوسرے رسالوں کی زینت بنتے رہے ہیں۔انگریزی زبان میں بھی لکھتے ہیں۔

مولانا جاوید سلطان فلاحی،سابق استاذ جامعۃ الفلاح نے ’’منهج العيني في التفسير۔ عرض و تقويم‘‘ کے عنوان سے ایک قیمتی کام کیا ہے۔امام بدرالدین العینی اصلاً محدث اور فقیہ حنفی ہیں،مفسر نہیں ہیں۔صحیح بخاری کے شارح کی حیثیت سے معروف ہیں۔ان کی شرح ’’عمدة القارى شرح صحيح البخارى‘‘ کے نام سے مطبوع ہے جو ۲۵ جلدوں پر محیط ہے۔اسی طرح ان کی کتاب ’’البناية شرح الهداية‘‘ ہے، جو فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ابوداؤد کی بھی شرح موصوف نے کی ہے۔اس کے علاوہ امام العینی ۵۰؍ سے زیادہ مطبوع و مخطوط کتابوں کے مصنف ہیں۔امام عینی کا اپنی مطبوع و مخطوط کتابوں میں،قرآنی آیات سے استشہاد میں جو منہج اور طریقہ کار رہا ہے۔اس پر مذکورہ رسالہ ہے۔جس کا مناقشہ ہو چکا ہے جس میں جاوید سلطان نے ممتاز نمبرات حاصل کیے ہیں۔جامعۃ الامام قسم القرآن وعلومہ سے اس رسالہ کو ایم اے کے لیے تسلیم کرلیا گیا ہے۔رسالہ کے آخر میں امام ابن رجب الحنبلی اور عینی کے درمیان مقارنہ بھی پیش کیا گیا ہے۔یہ اس وقت جامعۃ الامام کلیۃ اصول الدین میں ’’قسم القرآن وعلومہ‘‘ سے پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ان کے بعض مقالات عربی میں ہیں۔ ایک مقالہ کا عنوان ’’تفسير القرآن باقوال الصحابة‘‘ ہے اس میں اس تفسیر کی اہمیت اور حجیت پر بحث کی ہے۔نیز یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تفسیر صحابہ کا اطلاق کس تفسیر پر ہوگا اور اس کا حکم کیا ہے۔ایک دوسرا مقالہ ’’قرآنی علوم ایک مطالعہ‘‘ ہے۔اس میں انھوں نے اسباب نزول،مکی، مدنی سورتوں، ناسخ و منسوخ آیات اور قراءتوں کے مسئلے پر بحث کی ہے۔امام ابومحمد الحسن بن علی بن سعید المقرئ چوتھی صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں،ان کی ایک کتاب ’’الکتاب الاوسط فی علم القراءات‘‘ ہے اس کتاب میں قرأت سے متعلق درایت کے جو مسائل ہیں، جاوید سلطان آج کل اس پر کام کررہے ہیں۔ان کا ایک مقالہ نظرية النظم و اثره فى تحديد مفهوم الاعجاز والتفسير کے عنوان سے بھی ہے۔

مولانا ابوزید توحید احمد (بسہم ،اعظم گڑھ) کا ایم اے کا مقالہ تھا۔’’أقوال عبد الله بن الزبير فى تفسير القران الكريم۔ جمعاً و دراسةً ‘‘،یہ رسالہ مقدمہ کے علاوہ تین مباحث پر مشتمل ہے۔یہ

مباحث بڑے اہم ہیں اوران کے تحت ذیلی عنوانات بہت زیادہ ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں۔اس رسالہ کے علاوہ انھوں نے اور بھی مقالے لکھے ہیں۔ النسخ فی القرآن الکریم لمصطفیٰ زید (عرض و تعریف)، مذاھب التفسیر الاسلامی لجولد زھیر (عرض و نقد)، منھج الجصاص فی احکام القران، منھج النحاس فی اعراب القران وغیرہ۔

جناب مولانا عبدالعزیز سلفی فلاحی نے اپنے ہم فکر احباب کے ساتھ جنوری ۱۹۹۸ء میں ''تحریک دعوت القرآن'' کے نام سے ایک فکری دعوت اور علمی تحریک کی بنیاد ڈالی اوراس کے امیر منتخب کیے گئے۔ اس کے اغراض و مقاصد میں ہے کہ عالم انسانیت کوقرآن مجید کی طرف بلانا اوراس کے سامنے قرآن کے اصول وقوانین کی تفہیم وتشریح،مسلمانوں کوقرآن مجید سمجھ کر پڑھنے اوراس پرعمل کرنے پرآمادہ کرنا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں قدیم وجدید جاہلیت اوراس کے اثرات کا مطالعہ ومحاسبہ،قرآن وسنت کی ہدایات کے تحت سیاست ومعاشرت،اخلاق وتمدن،معاش ومعاد،فقہ وقانون اورتعلیم وتدریس کی تنظیم نو، اسلام ومسلم مخالف سرگرمیوں کے فکری، اور علمی پہلوؤں کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ،ملکی رجحانات، پالیسیوں،امکانات واقدامات کا مطالعہ وتجزیہ وغیرہ۔قرآن کی فکر عام کرنے کے لیےان کی نگرانی میں مطالعۂ قرآن کے چار حلقے چل رہے ہیں۔ایک سلسلہ کا دورۂ قرآن مکمل ہونے والا ہے۔ان مقاصد کے لیے دارالبیان کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا گیا ہے۔جس کے مقاصد دس شقوں میں ہیں۔ایک ترجمان نکالنے کا بھی فیصلہ کیا گیا جس کے تحت ''دعوت القرآن'' کے نام سے چار پانچ شمارے نکالے گئے۔بعد میں مالی دشواریوں کے باعث اسے ملتوی کرنا پڑا۔یہ تمام شعبے الرفاہ ایجوکیشنل اینڈ ویل فیئر ٹرسٹ (AREWT) کے تحت کام کررہے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ سیفی فلاحی (اردن) نے جامعہ ام القریٰ مکہ سے ایم،اے کے لیے ۱۹۸۳ء میں القسم فی القرآن الکریم کے عنوان سے ایک ضخیم مقالہ لکھا تھا جس میں قرآن میں آئی ہوئی قسموں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی (علی گڑھ) کی متعدد کتابیں قرآن سے متعلق ہیں۔مثلاً قرآن کریم میں نظم ومناسبت،قرآن مبین کے ادبی اسالیب، کلچر،سائنس اینڈ وائلنس، دی قرانک اپروچ (انگریزی)، آسان تجوید (عربی سے ترجمہ)،قرآن اور عقل (عربی سے ترجمہ)،عقلیاتِ قرآن کریم (عربی کے ترجمہ)،تدبر قرآن کے اصول اور وسائل-تدبر اور تدبیر کی منہاجیات (عربی کے ترجمہ)، کتابِ ذکرو فکر (مقالات کا مجموعہ)،موصوف نے قرآن پر انگریزی میں سات مقالات اور اردو میں ۲۰ مقالات مختلف سمیناروں میں پڑھے ہیں جو چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر احسان اللہ فہد فلاحی (علی گڑھ) کی کتاب ''ابن جریر طبری، حیات، تصانیف، تفسیری کارنامے'' کے نام سے موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قرآن سے متعلق متعدد مقالات شائع ہوئے ہیں، مثلاً مولانا آزاد کی قرآن فہمی اور بصیرت، شاہ ولی اللہ کی قرآنی خدمات، چند سالوں قبل ان کی ایک کتاب ''قرآن-علم و معرفت کی شاہ کلید'' منظر عام پر آئی ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کا قرآن اور علوم قرآن، تاریخ، اور تفسیر وغیرہ پر لکچر ہوتا رہتا ہے۔ ان کی دو اہم کتابیں اور ہیں، ''اندلس اور سسلی کی مسلم تاریخ و ثقافت'' اور ''عہد وسطیٰ کے شمالی ہند میں غیر مقلدانہ صوفی طریقے۔''

مولانا رضوان احمد فلاحی (لندن) نے اپنے والد محترم ممتاز عالم دین مولانا صدرالدین اصلاحی کی تفسیر ''تیسیر القرآن'' جو سورہ فاتحہ سے سورہ بقرہ آیت ۲۸۳ تک ہے، اس کی ترتیب و تدوین کا کام کیا ہے جو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے چھپ کر آ چکی ہے۔

مولانا عبدالبر اثری فلاحی (مدھوبنی) ناظم اعلیٰ فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن ممبئی نے قرآن کے متعلق مختلف تحریریں لکھی ہیں۔ ان کی پہلی تحریر ''شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے'' یہ کتاب چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مدارس میں تفسیرِ قرآن، ناظرہ قرآن اور علوم قرآن کی تدریس کا تجزیاتی مطالعہ اور اصلاحِ احوال کے لیے تجاویز ہیں۔ دوسری کتاب ''تَعَلَّم لغةَ القرآن '' کے تین حصے ہیں، ہر حصہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ انگریزی میڈیم کے طلبہ کو سامنے رکھ کر پانچویں، چھٹی اور ساتویں جماعت کے لیے یہ کتاب تیار کی گئی ہے تاکہ وہ ضروری حد تک عربی صرف و نحو سے آگاہ ہو جائیں اور ان کے لیے قرآن فہمی کی راہ آسان ہو جائے۔ اس کتاب میں تمام مثالیں اور مشقیں قریب قریب قرآن سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب مختلف اسکولوں اور اداروں میں داخلِ نصاب ہے۔ تیسری کتاب ''قرآن کا پیغام والدین کے نام'' ہے۔ ۸۰ صفحات کی یہ کتاب والدین کے فرائض اور ذمہ داریوں سے متعلق آیات پر مشتمل دروس کا مجموعہ ہے۔ چوتھی کتاب ''قرآن سمجھنا آسان ہے'' ۳۷ صفحات کی یہ کتاب زیر طبع ہے۔ اس کتاب میں قرآن سمجھنے کی مختلف آسان تدبیریں سمجھائی گئی ہیں۔ اس کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ عام لوگوں کے لیے قرآن سمجھنا ممکن نہیں، جیسی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ پانچویں کتاب ''قدماء کا تفسیری سرمایہ'' یہ دراصل ماہنامہ حیات نو بلریا گنج میں شائع ہونے والے مضامین تفسیر طبری، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین، تفسیر کشاف، تفسیر قرطبی، تفسیر احکام القرآن اور تفسیر روح المعانی کا مجموعہ ہے جو عنقریب کتابی صورت میں آنے والا ہے۔ کرلا ویسٹ ممبئی کے تحت حلقہ قرآن قائم ہے اس میں اجتماعی مطالعہ قرآن ہوتا ہے۔ دس سالوں سے اس کی نگرانی بھی کر رہے ہیں۔

جناب شمیم قمر فلاحی (پٹنہ) نے چند کتابیں قرآن سے متعلق تصنیف کی ہیں۔قوموں کی نفسیات اور قرآن مجید، عظمت قرآن، قرآن مجید کا صوتی اعجاز، قرآن مجید اور سابقہ صحیفے، قرآن فہمی کا آسان راستہ (یہ کتاب زیر ترتیب ہے)، اس کے ساتھ ہی کالج کے طلبہ اور ریٹائرڈ لوگوں کو ناظرہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ قرآن کی تفہیم بھی کراتے ہیں۔

مولانا رئیس احمد فلاحی (جامعۃ الفلاح) نے ڈاکٹر مجدی الہلالی کی کتاب ''العودۃ الی القراٰن'' کا ترجمہ رجوع الی القرآن کے نام سے کیا ہے جو ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح سے شائع ہو چکا ہے۔

حافظ احسان الحق فلاحی (جامعۃ الفلاح) کا ایک مضمون سورہ کہف کی آیت ''ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلك غدا'' پر حیات نو کی زینت بن چکا ہے۔نیز عقیدہ آخرت پر ایک مضمون اور متعدد دروس قرآن حیات نو میں شائع ہوئے ہیں۔قرآن کے اسالیب پر انھوں نے ایک مقالہ لکھا تھا جس پر انھیں تخصص فی القرآن کی ڈگری ملی تھی۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی نے ''المنهج القويم لتدريس القرآن الكريم' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر ادارہ علوم القرآن سے پہلا انعام حاصل کیا۔جناب پرویز عالم فلاحی نے خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات پر کتابچہ لکھا ہے۔مولانا ابوالمکارم فلاحی صاحب نے تفسیر مہائمی پر کام کیا ہے۔سراج احمد برکت اللہ فلاحی (نیپال) نے قرآن سے متعلق دو مضامین لکھے ہیں۔تفسیر ابن کثیر۔ایک تعارف، حافظ ابن کثیر ایک تعارف۔ادریس جمیل فلاحی (نیپال) نے ایک کتاب ''قاعدہ ترتیل القرآن'' اور عامر عارف فلاحی (نیپال) نے بھی ''قاعدہ ترتیل القرآن'' نامی کتاب ترتیب دی ہے۔''تعلیم قرآن کے اصول وآداب'' پر ادریس جمیل فلاحی کا ایک مقالہ ''پیغام'' میں شائع ہوا ہے۔

راقم الحروف نے متعدد مقالات اور محاضرات دعوہ کیمپ اور دیگر سمیناروں اور اجلاسوں میں پیش کیے ہیں۔مثال کے طور پر ''اعجازِ قرآن''، ''قوموں کے عروج وزوال میں سنتِ الٰہی''، ''مقاصدِ نزول قرآن''، ''دعوت کا انبیائی طریقہ''، ''قرآن کا مثالی نوجوان''، ''اُصحاب کہف''، ''ذوالقرنین''، ''سفر موسیٰ مع خضر''، ''قرآن کی روشنی میں تقویٰ''، ''تاریخِ عزلی ونصب قرآن کی روشنی میں''، ''حکومت الٰہیہ کا قیام کیوں اور کیسے''، ''حکمتِ دعوت قرآن کی روشنی میں''، ''قرآن کے جدالِ احسن کے نمونے''، ''وحی الٰہی، جمع قرآن اور تاریخ قرآن سے متعلق اعتراضات کا جائزہ''، ''توحید وشرک کی حقیقت قرآن کی روشنی میں''، ''نظم قرآن''، ''تدبر قرآن - ایک معروضی جائزہ''، ''تفہیم القرآن - ایک مطالعہ''، ''ہمارا طریقہ تدریسِ قرآن اور اس سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ'' اس کے علاوہ درج ذیل تراجم وتفاسیر کی خصوصیات وامتیازات پر بھی کام کیا ہے:

الف۔کنز الایمان مولانا احمد رضا خاں صاحب اور تفسیر محمد نعیم الدین صاحب
ب۔ترجمہ شاہ عبدالقادر وتفسیر موضح القرآن
ج۔ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی
د۔ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی وتفسیر صلاح الدین
ہ۔ترجمہ مولانا محمد فتح خان جالندھری
و۔تفسیر ماجدی (مولانا عبدالماجد دریا آبادی)
ز۔ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن وحواشی مولانا شبیر احمد عثمانی
ح۔بیان القرآن (مولانا اشرف علی تھانوی)
ط۔معارف القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع)
ی۔تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)
ک۔تدبرِ قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی)۔

درج ذیل فلاحی برادران مختلف اداروں میں تدریس قرآن سے وابستہ ہیں یا ماضی میں رہے ہیں:

راقم الحروف حافظ محمد اسماعیل فلاحی اور حافظ احسان الحق فلاحی نے کئی دہائیوں تک جامعۃ الفلاح میں قرآن مجید کی تدریس کی خدمت انجام دی ہے۔اس کے علاوہ مولانا انیس احمد فلاحی،مولانا رئیس احمد فلاحی،مولانا عبدالعظیم فلاحی،مولانا ضمیر الحسن فلاحی،مولانا جاوید سلطان فلاحی،مولانا ابوزید توحید احمد فلاحی،مولانا شاہد کریم اللہ فلاحی،مولانا علی مرتضیٰ فلاحی،مولانا امیر احسن فلاحی،مولانا اختر احسن فلاحی، مولانا اظہرالدین فلاحی، مولانا شبیر فلاحی، مولانا ادریس سعیدی فلاحی، مولانا عارف حسین فلاحی، مولانا اطہر علی فلاحی،مولانا ادریس فلاحی،مولانا عبدالجبار فلاحی،مولانا مطیع الرحمان فلاحی،مولانا مطیع اللہ فلاحی (جامعۃ الفلاح)،مولانا طارق احسن گیاوی فلاحی،مولانا نور محمد فلاحی مرحوم،مولانا اکرم حسین فلاحی،مولانا عبدالبر اثری فلاحی۔

دعوتی اور تحریکی خدمات

آج سے بہت پہلے اپنے ایک مضمون میں میں نے لکھا تھا کہ ’’شاید آپ میری اس بات کی تائید کریں کہ معدودے چند کے علاوہ کوئی فلاحی ایسا نہیں ہے جو اس شعبہ سے تعلق نہ رکھتا ہو یا جس کا وظیفہ حیات اس کے علاوہ بھی کچھ ہو۔جوشِ عمل میں اتار چڑھاؤ اور خطا ونسیان ایک دوسری چیز ہے۔انسان کی زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں،کبھی دیوانگی کی کیفیت ہوتی ہے،کبھی جوشِ عمل ماند پڑ جاتا ہے۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ فلاحی برادران عام طور سے دعوت کے اس عظیم کام میں مشغول ہیں چاہے وہ زندگی

کے کسی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں، تجارت ہو یا زراعت، صنعت وحرفت ہو یا ملازمت، تعلیم وتدریس ہو یا ترجمہ اور تصنیف وتالیف، کوئی سا بھی شعبہ ہو اور وہ کہیں ہوں، سفر میں، حضر میں، کارخانہ میں یا آفس میں، ملک کے اندر یا باہر، ہر جگہ انہیں اپنی یہ حیثیت یاد رہتی ہے اور وہ اپنی جگہ بیٹھے خاموشی سے اس کام میں لگے رہتے ہیں‘‘۔ ان میں کی ایک بڑی تعداد جماعت کے ساتھ وابستہ ہے، کچھ لوگ کسی دوسرے نظم کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ انفرادی طور پر اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ احیائے دین یا اقامت دین بڑا وسیع الاطراف لفظ ہے، زندگی کے جس شعبہ سے کوئی تعلق رکھتا ہو اگر یہ اس کا مقصد اور نیت ہے تو وہ اس عمل میں شریک ہے۔ اس اعتبار سے اب تک فارغین جامعہ کی خدمات کے جن میدانوں کا ذکر بھی کیا ہے، اور جتنے فارغین کے ناموں کا ذکر آیا ہے، وہ سب کے سب کسی نہ کسی صورت میں دعوت کے میدان سے جڑے ہوئے ہیں۔

کچھ لوگ جو اس شعبہ میں نمایاں ہیں، ان کا ذکر اجمالاً مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نسیم احمد غازی صاحب ایک زمانہ میں شعبہ دعوت کے انچارج سکریٹری جماعت اسلامی ہند جناب مولانا محمد شفیع مونس ؒ کے معاون خاص رہے ہیں اور اِس وقت اسلامک ساہتیہ ٹرسٹ اور مدھر سندیش سنگم کو دیکھ رہے ہیں۔ ظہیر عالم فلاحی، مقبول احمد فلاحی اور طارق فارقلیط فلاحی مرحوم بالترتیب نظمائے علاقہ جماعت اسلامی ہند الٰہ آباد، گورکھپور اور جھانسی رہے ہیں، نیز رکن ریاستی شوریٰ اور مجلس نمائندگان رہے ہیں۔ مولانا محمد عمران فلاحی امیر مقامی جامعۃ الفلاح، ناظم ضلع اعظم گڑھ، ریاستی شوریٰ اور مجلس نمائندگان کے رکن ہیں۔ مطیع اللہ فلاحی یوپی مشرق حلقہ کی سطح کے شعبہ دعوت کے ذمہ دار رہے ہیں۔ رئیس فلاحی (اناؤ) ناظم علاقہ بستی رہے ہیں۔ حامد علی ساغر یوپی مشرق میں سکریٹری حلقہ رہے ہیں۔ سید غازی فخن پورہ کے امیر مقامی ہیں۔ زرتاج اپنے علاقہ کے ذمہ دار رہے ہیں۔ شبیر فلاحی (دہلی) اور عبدالحق فلاحی (بستی) بالترتیب سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف برّد اللہ مضجعہ اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی قدّس اللہ سرہ کے پرائیوٹ سکریٹری رہ چکے ہیں۔ عبدالحق فلاحی امیر مقامی کھنڈیل، گیا ہیں۔ نور محمد فلاحی ؒ امیر مقامی جماعت اسلامی ہند زمین رسول پور، جمیل احمد فلاحی رکن مقامی شوریٰ بلریا گنج اور معاون امیر مقامی بلریا گنج رہے ہیں۔ حافظ احسان الحق فلاحی اس وقت امیر مقامی نصیر پور ہیں۔ محمد یعقوب فلاحی (سیوان) قرآن درشن کے متعدد اضلاع کے ذمہ دار رہے ہیں۔ اس کے قبل ناظم ڈویزن ایس آئی او بہار رہ چکے ہیں۔ ان کی خدمات وسیع الاطراف ہیں۔ اس وقت وہ جماعت اسلامی ہند سیوان کے سرگرم کارکن ہیں۔ صباح الدین ملک فلاحی معاون امیر مقامی جماعت اسلامی ہند احمد آباد رہے ہیں۔ اس وقت مختلف مکاتب فکر کے علماء کو متحد کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے منصوبہ پر بڑی

سنجیدگی اور محنت سے کام کررہے ہیں۔ یہ ڈائنامک صلاحیت کے مالک ہیں، جس کام میں لگ جاتے ہیں اس کو ایک نتیجے تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ ثاقب حسین فلاحی (بدایوں) میں اے پی سی آر کے ذمہ دار رہے ہیں۔

محمد محفوظ خان فلاحی (بھوپال) عبدالعزیز سلفی، عبدالبر اثری، شاہد بدر فلاحی سیمی (کالعدم) تنظیم کے کل ہند صدر رہے ہیں۔ عبدالحی فلاحی اس کے دہلی کے صدر رہے ہیں۔ عبدالقوی فلاحی (بستی) اس کے ایم۔ پی کے صدر، طیب حسن فلاحی اس کے صدر حلقہ پنجاب و بہار، سرفراز احمد فلاحی صدر حلقہ راجستھان، اور یٰسین پٹیل فلاحی صدر حلقہ گجرات رہے ہیں۔

منور حسین فلاحیؒ، طارق فارقلیط فلاحی، انعام اللہ فلاحی، عرفان فلاحی (بجنور) صدر حلقہ ایس آئی او یو پی، جاوید سلطان فلاحی صدر حلقہ ایس آئی او مشرقی یو پی، محمد نعیم فلاحی اور قسم رسول فلاحی صدر حلقہ ایس آئی او راجستھان رہے ہیں۔ ولی اللہ سعیدی فلاحی صدر حلقہ ایس آئی او یو پی مشرق اس کے قبل صدر ایس آئی او یو پی اور جنرل سکریٹری ایس آئی او آف انڈیا رہے ہیں۔ وہ ناظم علاقہ گورکھپور اور امیر حلقہ یو پی مشرق رہے ہیں، اس وقت جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری شعبہ تربیت اور رکن مرکزی مجلس شوری ہیں اور طارق فارقلیط فلاحی مرحوم سکریٹری حلقہ یو پی مشرق رہے ہیں۔

منور حسین فلاحیؒ، انعام اللہ فلاحی (بستی) اور زبیر ملک فلاحی سکریٹری حلقہ ایس آئی او یو پی رہے ہیں۔ انعام اللہ فلاحی اس وقت مرکز کے شعبہ تعلیمات سے وابستہ ہیں۔ محمد اعظم بیگ فلاحی، اقبال احمد فلاحی (بستی) عبدالعزیز سلفی، حسن حبیب فلاحی، یٰسین پٹیل فلاحی، سیمی (کالعدم) کے سکریٹری حلقہ یو پی رہے ہیں۔

عبدالرب کریمی فلاحی، عبیداللہ فہد فلاحی اپنی تنظیم میں سکریٹری مرکز اور مؤخر الذکر اپنی تنظیم میں شعبہ تحقیق و تجزیہ کے کل ہند ذمہ دار رہے ہیں۔

منور حسین فلاحیؒ اور محمد طارق فارقلیط فلاحی سابق رکن مشاورتی کونسل ایس آئی او یو پی، سابق رکن مرکزی مشاورتی کونسل ایس آئی او، محمد یعقوب فلاحی رکن مشاورتی کونسل ایس آئی او بہار، صباح الدین ملک فلاحی سیمی (کالعدم) کے سابق رکن مرکزی مجلس نمائندگان اور سابق رکن مرکزی مشاورتی کونسل رہے ہیں۔ حامد علی ساغر فلاحی، اس کے سابق رکن مشاورتی کونسل یو پی اور رکن مرکزی مشاورتی کونسل، عبدالعزیز سلفی، یٰسین پٹیل فلاحی، محمد شاہد فلاحی اس کے رکن مرکزی مشاورتی کونسل رہے ہیں۔

ولی اللہ سعیدی سابق رکن مشاورتی کونسل ایس آئی او یو پی، انیس احمد فلاحی (دہلی)، شمشاد حسین فلاحی، ابوبکر صدیق فلاحیؒ سابق رکن مشاورتی کونسل آئی او دہلی اور اقبال احمد فاروق فلاحی سابق رکن

مشاورتی کونسل ایس آئی او مدھیہ پردیش رہے ہیں۔ محی الدین غازی اور رضوان احمد رفیق مرکزی سکریٹری ایس آئی او رہے ہیں جبکہ ڈاکٹر ملک فیصل فلاحی ایس آئی او کے آل انڈیا صدر رہے ہیں۔

غلام رسول فلاحی صدر آئی وائی ایس نیپال، محمد الیاس فلاحی جنرل سکریٹری اور صدر زون آئی وائی ایس، محمد سعید فلاحی اور محمد ادریس جمیل فلاحی جنرل سکریٹری آئی وائی ایس رہے ہیں۔ اس وقت نیپال کی منظّم اور متحرک جماعت اسلامی سنگھ نیپال ہے۔ اس وقت اس کے امیر غلام رسول فلاحی، سکریٹری جنرل عارف حسین فلاحی، امیر کوشی زون محمد حسن حبیب فلاحی، سکریٹری کوشی زون نظام الدین فلاحی، امیر نارائنی زون مزمل الحق فلاحی، امیر لمبنی زون طاہر محمود فلاحی، سکریٹری لمبنی زون سراج احمد برکت اللہ فلاحی اور امیر بھیری زون عبیدالرحمان فلاحی ہیں۔ نیپال میں مسلمانوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے، اس میں بھی فلاحی علماء شامل رہے ہیں۔ اس کے پہلے جنرل سکریٹری غلام رسول فلاحی تھے، اس وقت نظرالحسن فلاحی جنرل سکریٹری کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ ذوالفقار علیٰ فلاحی شعبۂ دعوت کے ڈائرکٹر رہے ہیں۔ ابھی اس کے ذمہ دار نظرالحسن فلاحی ہیں، اسلامی سنگھ کے ساتھ نیپالی فلاحیوں کی بڑی تعداد وابستہ ہے۔

نیپال میں فلاحیوں کا ایک اور ادارہ ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی نیپال ہے جس کے ذمہ دار فیروز عالم فلاحی ہیں۔ فارغین وفارغات جامعۃ الفلاح کی ایک مختصر تعداد اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، البتہ معلوم نہیں ہوسکا کہ سنگھ کے ہوتے ہوئے اس کی کیا ضرورت تھی۔

کشمیر کے فارغین کی بڑی تعداد وہاں کی تحریک اسلامی اور وہاں کی جمعیت طلبہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ مجاہد شبیر احمد فلاحی نومبر ۲۰۰۸ تا اکتوبر ۲۰۱۰ اسلامی جمعیت جموں وکشمیر کے جنرل سکریٹری رہے ہیں اور نومبر ۲۰۱۰ء کی میقات میں ناظم اعلیٰ رہے، اس وقت وہ جماعت اسلامی جموں وکشمیر میں کافی سرگرم ہیں۔ وہ اسٹوڈنٹس ویلفیئر ٹرسٹ جموں وکشمیر کے چیرمین بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ذاکر حسین فلاحی، ڈوڈا بھی جمعیت میں کافی سرگرم رہے، اس کی مشاورتی کونسل کے ممبر، اس کے ترجمان 'پیام' کے مدیر اور اس کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔

مقبول احمد فلاحی، جبریل امین فلاحی، جاوید اشرف فلاحی، حافظ احسان الحق فلاحی، عبیداللہ فہد فلاحی، صباح الدین ملک فلاحی، یونس فلاحی (بھساول) عبدالعزیز فلاحی، حافظ اسرار احمد فلاحی، عبدالبر اثری، کمال الدین فلاحی، رضوان الحق فلاحی، یٰسین پٹیل فلاحی، عبدالرب اثری فلاحی، سراج الدین فلاحی (لبستی) سیمی (کالعدم) کے صدر جامعۃ الفلاح رہے ہیں۔ عبدالبر اثری تحریک طلبہ عربیہ کے کل ہند ذمہ دار بھی تھے۔

یعقوب فلاحی صدر یونٹ ایس آئی او سیوان، حامد علی ساغر فلاحی، ولی اللہ سعیدی، امیر احسن فلاحی

(بدایوں) انیس احمد فلاحی (دہلی) ضیاء الدین ملک فلاحی، تنویر عالم فلاحی دہلی، ممتاز عالم فلاحی، (مظفر پور) اکرام الرحمٰن فلاحی (ململ) ذکی الرحمان غازی، جاوید سلطان، شیخ عظیم الدین، (حیدرآباد)، محمد افضل فلاحی، یاسر خان فلاحی، عثمان فلاحی صدر یونٹ ایس آئی او جامعۃ الفلاح رہے ہیں۔ حامد علی ساغر فلاحی، امیر الحسن فلاحی (بدایوں) صباح الدین اعظمی فلاحی، ضیاء الرحمان فلاحی، محی الدین غازی، معین الدین فلاحی، سہیل احمد فلاحی، عبدالعظیم قاسم، ذوالقرنین حیدر سبحانی، عبدالقوی عادل، عبدالرحمٰن طاہر صدر یونٹ ایس آئی او بلریا گنج رہے ہیں۔

سعید احمد فلاحی صدر یونٹ ایس آئی او احمد آباد اور انیس احمد فلاحی صدر یونٹ ایس آئی او دہلی رہے ہیں۔

مولانا ظفر احمد اثری فلاحی، مظہر سید عالم فلاحی، قاری عرفان شمسی فلاحیؒ، رضوان احمد فلاحی، خالد سیف اللہ فلاحی بیرونی ممالک دعوت وتبلیغ اور علم وتحقیق میں مصروف ہیں۔ ظفر احمد اثری فلاحی یو کے اسلامک مشن لندن کی مرکزی شوریٰ کے ممبر رہ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں لندن ہی میں قائم اسلامی دعوت سنٹر کے انچارج بھی رہے ہیں۔ رضوان احمد فلاحی بھی اس کی شوریٰ کے رکن رہے ہیں۔ مظہر سید عالم فلاحی ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ ریاض سے اور رضوان احمد فلاحی یو کے اسلامک مشن لندن سے وابستہ رہے ہیں۔

ان دنوں جاوید سلطان، محمد شاہد کریم اللہ عبدالرحمان ولی محمد (چوکونیاں)، جنید احمد (بلرام پور)، عمران احمد فلاحی (نیپال)، ذوالقرنین حیدر سبحانی، شکیل احمد فلاحی، موسیٰ کلیم، مطیع الرحمٰن حنیف، اکرام الرحمٰن (ململ) جاوید بیگ عابد بیگ، انعام اللہ فلاحی (سرسال) خبیب احمد کاظمی، عبدالوحید فلاحی، محمد اکرام بستوی، آزاد اقبال خلیجی ممالک میں ہمارے مشن دعوت وتحریک سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک فعال نوجوان جو وہاں ہم سے وابستہ تھا، ابوبکر صدیق فلاحی اس کا انتقال ہوگیا۔

دانش فلاحی (نصیر پور)، عبدالعظیم فلاحی (چاند پٹی)، کمال الدین فلاحی (علاو الدین پٹی)، عبدالرب (شاہ جہاں پور)، انعام اللہ فلاحی (شعبہ تعلیمات مرکز)، رضوان رفیقی، انیس احمد، طارق اکرام اللہ، شارق انصار اللہ دہلی، شمشاد حسین فلاحی، امتیاز وحید، ممتاز عالم (مظفر پور)، سراج احمد (مرکز)، عبدالرب کریمی (مرکز)، محمد رضوان (مرکزی مکتبہ اسلامی)، ڈاکٹر اسحاق، ڈاکٹر محمد خالد حامدی، ڈاکٹر محمد احمد منیجر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ، عبیداللہ فہد، ضیاء الدین علی گڑھ، ڈاکٹر فیصل اقبال، ڈاکٹر غفران احمد، شفیق عالم رانچی، احمد اللہ چترپور، عبدالمغنی رانچی، اشتیاق عالم عطاء الرحمان (سیوان)، مشیر احمد وشمشیر احمد، زید عارف، ڈاکٹر اسرار احمد جیراج پوری، مشرف حسین فلاحی، نعیم غازی، وسیم غازی، عبدالقوی فلاحی اور کس کس کا نام گنایا جائے سب لوگ اپنی اپنی سطح پر دعوت

واصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

تعلیمی وتدریسی خدمات

میں نے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے پانچویں اجلاس عام منعقدہ ۲۷ تا ۳۰ / اکتوبر ۹۲ء کے موقع پر ''فارغین جامعہ ایک نظر میں'' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا تھا۔ جو اگست ۱۹۹۵ء کے ''حیات نو'' میں شائع ہوا تھا، اس سے بعض چیزیں کچھ حذف واضافہ کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

انقلاب کوئی بھی ہو اچھا یا برا، اس کا انتہائی اہم ذریعہ اور کسی بھی دعوت وتحریک کی کامیابی کا انتہائی اہم جز وتدریس ہے۔ ہر مؤثر اور پائیدار انقلاب کے پیچھے بالواسطہ یا بلاواسطہ اساتذہ کا ہاتھ رہتا ہے۔ وہ محاذ سے دور، بہت دور، کسی قریہ یا بستی میں بیٹھے انقلاب کی ڈور ہلاتے رہتے ہیں۔ ذہن سازی اور کردار سازی دراصل انہی کا کام ہے۔ کسی بھی ملک اور ملت کا مستقبل اس کے بچے ہوتے ہیں اور بچوں کا مستقبل ان کے اساتذہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی مصلح ان کے رول کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کسی انقلاب کو برپا کرنے یا کسی انقلاب کا رخ پھیرنے میں ریڑھ کی ہڈی اور اصل دماغ یہی ثابت ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے آگے بند باندھنے اور ہندوستان میں اسپین، قرطبہ کا سا حشر روکنے میں ان کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حسن البنا شہیدؒ سے امتحان میں پوچھا گیا کہ ''یہاں سے فراغت کے بعد آئندہ زندگی کے لیے تمہاری بڑی سے بڑی کیا تمنا ہے؟'' انھوں نے جواب میں فرمایا: ''میری ایک خواہش تو یہ ہے کہ میں اپنے اعزہ واقربا کے لیے سرتاسر باعث خیر وبرکت ثابت ہوں...... دوسری خواہش یہ ہے کہ معلم اور مصلح بنوں، دن میں بچوں کو تعلیم دوں اور رات میں ان کے سرپرستوں کی تربیت کروں...... (مجاہد کی اذاں، ص: ۲۶) ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا: ''آپ کتابیں کیوں تصنیف نہیں کرتے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''اُصَنِّفُ الرِّجَال ''۔ (حسن البنا شہید کی ڈائری ص ۷۰) میں تو رجال یعنی مردِ میدان اور رجال کار تصنیف کرتا ہوں۔

آج قحط الرجال کا شکوہ زبان زدِ خاص وعام ہے۔ اس قحط کو دور کرنے کی فکر، رجالِ کار کی فراہمی اور ان کی اصلاح وتربیت سے بڑھ کر ملت کی خدمت اور خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے۔ یہ حسن البنا کی تصنیف رجال ہی تھی کہ جمال عبدالناصر اور اس کے بعد آنے والے حکمراں بربریت کے تازیانے برساتے برساتے تھک گئے، ان کے ظلم وجور کے سارے ہتھکنڈے بیکار گئے اور اخوان کے جوش جنوں میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ع

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد

دنیا فاتحوں اور جرنیلوں کو یاد رکھتی ہے، مصنفین دماغوں پر چھائے رہتے ہیں اور اس گوشۂ تدریس میں بالعموم گمنامی اور نانِ جویں کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس وجہ سے ہر کس وناکس اس کوچہ کا رخ نہیں کرتا، مردِ میدان ہی ادھر آیا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر اس ''وادیِ غیر ذی زرع'' میں قدم رکھا ہے۔

یہ بات ہمارے لیے باعث اطمینان اور وجہ سعادت ہے کہ اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے فلاحی برادران بڑی تعداد میں ہیں۔ جن کا استقصا دقت طلب ہے۔ اس شعبہ میں جو لوگ کسی نمایاں مقام پر ہیں ان کا ذکر یہاں بیجا نہ ہوگا۔ مولانا مقبول احمد فلاحیؔ ان دنوں جامعۃ الفلاح کے نائب ناظم کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی جامعۃ الفلاح کے مہتمم ہیں۔ مولانا اظہار احمد فلاحی نگران اعلیٰ رہ چکے ہیں اس وقت داخلہ اور امتحان کے ذمہ دار ہیں۔ مولانا انیس احمد فلاحی اس وقت شعبہ اعلیٰ کے صدر ہیں۔ شعبہ ثانوی کے ہیڈ ماسٹر عرفان احمد فلاحی (ہنگائی پور) ہیں، جبکہ شعبہ ابتدائی کے ہیڈ ماسٹر کمال الدین فلاحی (علاء الدین پٹی) ہیں۔ مولانا محمد عمران خان صاحب فلاحی ایک لمبے عرصہ تک جامعہ کے نائب صدر رہنے کے ساتھ آخر میں شعبہ اعلی کی صدارت کے عہدے پر بھی فائز رہے ہیں۔ مطیع اللہ صاحب فلاحی جامعہ کے قائم مقام صدر رہے ہیں۔ راقم کے علاوہ مولانا محمد عمران خان صاحب فلاحی، نور محمدؒ فلاحی (زمین رسول پور)، عبدالعظیم فلاحی (چاند پٹی) نے مختلف اوقات میں نگران اعلیٰ کے فرائض انجام دیے ہیں۔ عبدالرحمان زریاب فلاحی کچھ دنوں شعبہ اعلیٰ کے نائب صدر رہے ہیں۔ ابوالمکارم صاحب فلاحی احمد یہ سلفیہ دربھنگہ کے نائب صدر رہے ہیں۔ نسیم غازی صاحب فلاحی الفلاح اسلامک اسکول کے سکریٹری اور مدرسۃ الفلاح کے صدر، مشتاق احمد فلاحی مصباح العلوم (چوکونیاں) کے صدر رہے ہیں۔ مشتاق صاحب کے بعد انعام اللہ فلاحی (بستی) مصباح العلوم کے صدر ہوئے ہیں۔ ان کے بعد کچھ دنوں کے لیے یہ ذمہ داری شبیر فلاحی (چوکونیاں) کے ذمہ رہی۔ اظہر الدین فلاحی مصباح العلوم کے نگراں اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ امیر احسن فلاحیؔ جامعۃ الحق السّلفیہ (بانسی) کے ماضی میں صدر رہے ہیں اس وقت جامعۃ الصالحات (بانسی) کے ذمہ دار ہیں۔ صالح سیف اللہ فلاحی (رانچی) مدرسۃ البتول کے ذمہ دار اور اسرار احمد فلاحی (کوٹہ) جامعۃ الھدیٰ کے شیخ الجامعہ ہیں۔ محمد یعقوب فلاحی اپنے علاقہ میں صباحی، شبینہ ایک مکتب چلا رہے تھے۔ مطیع الرحمٰن فلاحی مدھوبنی، عبدالمؤمن فلاحی (بنگال)، عبدالاحد فلاحی (مدھوبنی)، طارق احسن فلاحی (گیا)، علی مرتضیٰ فلاحیؔ، جبریل امین فلاحی اور ان کے بھائی انور کمال صدیقی فلاحی اپنے اپنے تعلیمی اداروں کے صدر مدرس، یا صدر انتظامیہ اور سکریٹری رہے ہیں۔ طارق احسن گیاوی کا ۱۹۸۱ء سے لے کر اب تک تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ اس

دوران ناظم تعلیمات، پرنسپل بنات عربک کالج اورانچارج کیمپس جامعۃ البنات،کھنڈیل کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں۔ڈاکٹر ضیاء الرحمان بن صابر حسین (ارریہ، بہار) نے جامعۃ الفلاح سے عالمیت وفضیلت کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے بی اے،میسور یونیورسٹی سے ایم اے (گولڈ میڈلسٹ)،سنسکرت یونیورسٹی کیرلا سے ایم فل اوراسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔اسلامیہ عربک کالج،منصورہ، ہاسن کرناٹک میں ۱۲ سال تک تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔اس وقت الجامعۃ الاسلامیۃ شانتا پورم میں کیرلہ میں مدرس تفسیر وادب اورصدر شعبہ اردو ہیں۔

سید راشد حامدی فلاحی نے سید حامد علی ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) قائم کی،جس کے تحت وہ تعلیمی اور رفاہی کاموں کے علاوہ ''حامد علی گرلس انٹر کالج'' کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے اپنے آبائی وطن میران پور کٹرہ میں ایک وسیع وعریض قطعہ اراضی بھی خرید لیا ہے۔ حافظ معین الدین فلاحی نے المبین فاؤنڈیشن کے نام سے تعلیمی ورفاہی ٹرسٹ قائم کیا ہے۔جس کے زیرنگرانی دینی تعلیمی اوررفاہی اداروں کا قیام پیش نظر ہے۔عبدالبر اثری کوکن میں عصری مدارس میں دینی واخلاقی تعلیم کا جو نظام قائم ہے اس کے ذمہ دار ہیں۔کشمیر کے فلاحی طلبہ کی ایک خاصی تعداد وہاں کی جماعت کے گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ قائم کردہ تعلیمی اداروں میں تعلیمی فرائض انجام دے رہی ہے۔ تعلیم کے میدان میں نیپال کے فلاحی فارغین کی خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔ان فلاحیوں کی بڑی تعداد تدریس میں مشغول ہے۔عربی جامعات ومدارس میں تفسیر قرآن مجید، حدیث، فقہ اورعربی ادب جیسے اہم مضامین کی تدریس میں فلاحی علماء پیش پیش ہیں۔بطور تذکرہ چند اہم نام اس طرح ہیں۔محمد الیاس فلاحی بھوٹہا، ادریس سعید فلاحی، ریاض الدین فلاحی، انوار عالم فلاحی،ظفیر عالم فلاحی، اطہر علی فلاحی،جمیل احمد فلاحی، ظاہر حسین فلاحی،محمد الیاس فلاحی بھوکراہا، ادریس جمیل فلاحی،تفضّل حسین فلاحی، جمیل اختر فلاحی،محفوظ عالم فلاحی، جاوید عالم فلاحی، افروز عالم فلاحی،حفاظ الدین فلاحی،شمیم اختر فلاحی، شمیم قمر فلاحی، حیدر علی فلاحی، روح الامین فلاحی،عمر علی فلاحی، فیروز عالم فلاحی مرسنگھ، ابوالکلام فلاحی،محمد انوار الحق فلاحی،شفیع الرحمان فلاحی، ڈاکٹر عبدالحکیم فلاحی،عبیدالرحمٰن فلاحی، ضیاء الحق فلاحی،عبدالحی فلاحی، محفوظ عالم فلاحی روپندیہی، نظام الدین سراج الدین فلاحی، نظام محمد ابوالقاسم فلاحی وغیرہ۔

نیپال میں فارغینِ فلاح نے تعلیم نسواں کے لیے ذہن سازی کی اور مسلمانوں کونسواں مدارس کے قیام پرآمادہ کیا۔اس ضمن میں محمد الیاس فلاحی لمبنی، غلام رسول فلاحی،محمد حسن حبیب فلاحی اور طاہر حسین فلاحی کا کردار نمایاں ہے۔آج کئی جامعۃ البنات ایسے ہیں جن کی تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں فلاحی فارغین وفارغات کے کندھوں پر ہیں۔مثلاً جامعۃ البنات بلکوا بازار ضلع سرہا، جامعۃ المحسنات بھوکراہا ضلع

سنسری، جامعۃ الصالحات نور پور ضلع سنسری، جامعۃ المسلمات بھوٹہا ضلع سنسری۔

نیپال کے تناظر میں ہمارے فارغین نے دینی علوم اور جدید عصری علوم پر مشتمل ایسا نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے جس میں دین کے ساتھ دور حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں کو معقول جگہ دی گئی ہے۔ اس نصاب کی ترتیب میں محمد حسن حبیب فلاحی، ادریس جمیل فلاحی، غلام رسول فلاحی، ذوالفقار علی فلاحی، نظر الحسن فلاحی اور عارف حسین فلاحی کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ یہ جدید نصاب آج نیپال میں ترائی اور پہاڑی، مغربی اور مشرقی مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے درجنوں مدارس اور اسکول میں نافذ العمل ہے۔ ملک کے قابل اعتماد مدارس و جامعات میں وہ ادارے شمار کیے جاتے ہیں جو فلاحی علماء کی نگرانی میں جاری ہیں۔ ذیل میں ایسے اہم اداروں کا نام دیا جارہا ہے جو فلاحی فارغین کی نگرانی واشراف میں قائم ہیں:

جامعۃ الاصلاح الاسلامیہ بھوٹہا ضلع سنسری، جامعہ اسلامیہ بھوکراہا ضلع سنسری، جامعۃ المحسنات بھوکراہا، جامعۃ البنات بلکوا بازار ضلع سرہا، جامعۃ المسلمات بھوٹہا ضلع سنسری، جامعۃ الصالحات نور پور ضلع سنسری، آئیڈیل پبلک اسکول نیپال گنج ضلع بانکے، ہلال پبلک اسکول کھسکی ضلع سنسری، مدرسہ دارالسلام مجہنی ضلع کپل وستو، مدرسہ نور الہدیٰ اسلام پور ضلع پالپا، اسلامی پبلک اسکول ششوا ضلع سنسری، مدرسہ حضرت بلال پبلک اسکول چھاتا بیلی ضلع سنسری، ماڈل پبلک اسکول بھوکراہا ضلع سنسری، مدرسۃ العلوم نرسنگھ ضلع سنسری، صفہ آئیڈیل پبلک اسکول بیرگنج، مدرسہ انوار الاسلام ہڑتالی ہاٹ ضلع مورنگ، مدرسہ درارالقرآن مجہنی ضلع کپل وستو، پیراڈائز پبلک اسکول پچپڑہ ضلع کپل وستو، سہارا پبلک اسکول کرشنانگر ضلع کپل وستو، کریسنٹ پبلک اسکول براٹ نگر ضلع مورنگ، میریڈین پبلک اسکول کٹھمنڈو، ماؤنٹ ایورسٹ انگلش اسکول دوہبی، ضلع سنسری، شائنیگ فیوچر اکیڈمی نیپال گنج ضلع بانکے، عائشہ مدرسۃ البنات نیپال گنج ضلع بانکے، مدرسۃ اقرأ لتحفیظ القرآن راج براج ضلع سپتری، جامعۃ الاصلاح مسٹر ضلع رونیدیہی، ایم ای ایس انگلش بورڈنگ اسکول بیرگنج، مدرسہ نداء الاسلام بیلہا ضلع سنسری، مدرسہ دارالھدیٰ بیابانی ضلع گورکھا، مدرسہ اسلامیہ رائیناس ضلع لمجونگ۔

اس کے علاوہ دینی مدارس واسکول کی نگرانی ورہنمائی کے لئے باقاعدہ ایک تعلیمی سوسائٹی بنائی گئی ہے جس کی قیادت شروع سے فلاحی علماء کرتے آرہے ہیں۔ اس سوسائٹی کے اس وقت نائب صدر محمد الیاس فلاحی مُکھی ہیں جبکہ سکریٹری جنرل کی ذمہ داری ذوالفقار علی فلاحی سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس سے قبل غلام رسول فلاحی کئی سالوں تک سوسائٹی کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں۔ اس سوسائٹی کے تحت باقاعدہ ۱۳ مدارس واسکول چل رہے ہیں۔

جامعۃ الفلاح میں شعبہ تدریس سے وابستہ درج ذیل فلاحی فارغین ہیں یا رہے ہیں:

رحمت اللہ اثری، محمد عمران فلاحی، مطیع اللہ فلاحی، اظہار احمد فلاحی، صباح الدین ملک فلاحی، محمد اسماعیل فلاحی، عبدالعظیم فلاحی، رئیس احمد فلاحی، امیر فیصل فلاحی، معین الدین فلاحی، انیس احمد فلاحی، جمیل احمد فلاحی، امتیاز احمد فلاحی، شاہ عالم فلاحی (علائی)، عبدالودود فلاحی، خورشید احمد فلاحی، مصباح الباری فلاحی، عبدالرحمان زریاب فلاحی، حافظ ریاض احمد فلاحی، عرفان احمد فلاحی، نسیم احمد فلاحیؒ، کمال الدین فلاحی، پرویز عالم فلاحی، شاہد الاسلام فلاحی، جرار احمد فلاحی، ضمیر الحسن فلاحی، حامد علی ساغر فلاحی، اشتیاق عالم فلاحی، جاوید اشرف فلاحی، جاوید سلطان فلاحی، عبدالبر اثری فلاحی، ولی اللہ سعیدی فلاحی، علی مرتضیٰ فلاحیؒ، حافظ جہانگیر فلاحی، محبوب عالم فلاحی، مشتاق فلاحی۔

یہاں کی لائبریری اور شعبہ نظامت سے وابستہ درج ذیل فارغین ہیں یا رہے ہیں:

عبدالرحمان خالد فلاحی، عرفان احمد فلاحی (کوہنڈہ)، آفتاب عالم فلاحی، عطاء الرحمان فلاحی، محمد طارق فلاحی، عبدالرقیب فلاحی، رفیع الدین فلاحی، محمد آصف فلاحی، نہال الدین فلاحی، محمد نسیم فلاحی (بلریا گنج)، مقبول احمد فلاحی، احسن اثری۔

عصری اداروں میں بھی ہمارے بہت سے فارغین پہنچ چکے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد دہلی، طبیہ کالج علی گڑھ، مولانا آزاد (یونیورسٹی حیدرآباد، انٹگرل یونیورسٹی لکھنؤ، وغیرہ اداروں میں ہمارے فلاحی آپ کو ملیں گے۔ ڈاکٹر سید خالد حامدی اور ڈاکٹر محمد اسحاق جامعہ ملیہ دہلی میں، ڈاکٹر اکرم فلاحی دہلی یونیورسٹی میں اور ڈاکٹر اشتیاق دانش جامعہ ہمدرد دہلی میں پروفیسر کی حیثیت سے تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حکیم عبدالباری فلاحی، جامعہ ہمدرد دہلی میں ہیں۔ ڈاکٹر عبیداللہ فہد، ڈاکٹر فیضان احمد، ڈاکٹر سمیع اختر، ڈاکٹر توقیر عالم، ڈاکٹر ضیاء الدین ملک، توصیف احمد فلاحی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں، ڈاکٹر محمد ارشد (شیخ پور) اور خالد فلاحی بدایونی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں، حافظ معین الدین عابدہ انعامدار کالج فار گرلس پونے میں، عبدالحی شاہد ایک انٹر کالج میں، حبیب احمد جمالی امریکہ میں اور خالد سیف اللہ (رام پور) جامعہ زرقاء اردن میں بحیثیت استاد ہیں۔ فاروق فلاحی، طارق فلاحی طبیہ ناگپارہ، نور محمد بستوی اور شوکت فلاحی طبیہ کالج راجستھان، افضال احمد (چاند پٹی)، ابوسفیان فلاحی، شبلی کالج اعظم گڑھ، ڈاکٹر غفران احمد فلاحی طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں استاد کی حیثیت سے مصروف کار ہیں، ڈاکٹر منور حسینؒ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں، اور حمداللہ فراہیؒ ایک طبیہ کالج میں لکچرر کی حیثیت میں رہے ہیں۔ عبدالعزیز فارس، ارشد جمال فلاحی، انس اظہار فلاحی مختلف طبیہ کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دہے ہیں۔ امان اللہ فہد، شکیل احمد، نورالاسلام، شاہد فلاحی، اور سراج

الدین فلاحی (بلریا گنج) دہلی کے مختلف معیاری اسکولوں میں بحیثیت استاد اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ شہباز احمد (رانچی) فلاحی بھی ایک عصری سرکاری ادارے میں استاد کی حیثیت سے ہیں۔ عطاء الرحمٰن انور اور ملک راشد فیصل اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی میں ہیں، ڈاکٹر عمیر منظر مولانا آزاد کے لکھنؤ کیمپس میں ہیں۔ جرار فلاحی انٹگرل یونیورسٹی میں اپنی خدمات پیش کررہے ہیں۔ صباح الدین بلریا گنج، ڈاکٹر وسیم ملک، ڈاکٹر ضیاء الرحمان (بلریا گنج) حافظ جہانگیر (شیخ پور) خلیج کی مختلف ریاستوں میں تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں۔ تقویٰ انٹرنیشنل اسکول ریاض میں جاوید سلطان فلاحی، ابوزید فلاحی، شاہد کریم اللہ، سعید اختر، اور جنید احمد تدریس سے منسلک ہیں، اوران میں سے بیشتر کا درس قرآن کا بھی سلسلہ ہے۔

ڈاکٹر طارق جمیل اور ڈاکٹر محمد احمد (سیوان) نے بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چند سالوں تدریس کی خدمت انجام دی ہے۔ نورالہدیٰ لاری نے جامعہ مصباح العلوم (چوکونیاں) میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جامعۃ الطیبات کے نام سے قصبہ لار، ضلع دیوریا میں جوادارہ قائم ہے، اس کے قائم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

طارق اکرام اللہ فلاحی، شارق انصاراللہ فلاحی اوراحتشام فلاحی کے قائم کردہ اسکول ابوالفضل اور شاہین باغ میں اپنی پہچان بنائے ہوئے ہے، مصلح الدین (اعظم گڑھ) نے بھی دہلی میں ایک اسکول قائم کررکھا ہے۔ شہاب صاحب (زمین رسول پور) میں ایک اسکول چلا رہے ہیں۔ انیس فلاحی اپنے گاؤں نصیر پور میں اور عبدالعظیم فلاحی نے اپنے گاؤں میں لڑکیوں کی ایک درسگاہ کھول رکھی ہے جو اچھی چل رہی ہے، وہاں سے بچیاں جامعۃ الفلاح آتی ہیں۔ حافظ عطاء الرحمان فلاحی (زمین رسول پور) اپنے والد جناب ماسٹر جلیلؒ کے قائم کردہ نور پبلک اسکول کو حسن وخوبی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔

مختلف یونیورسٹیوں سے گولڈ میڈل حاصل کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کس کس کا نام لکھا جائے بطور مثال سید خالد حامدی فلاحی نے بی اے اور ایم اے میں یونیورسٹی ٹاپ کرنے کے ساتھ ساتھ گولڈ میڈل حاصل کیے۔ یونیورسٹی سے جامعہ کے الحاق کے بعد سید خالد حامدی پہلے طالب علم تھے جنہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں یہ نمایاں کامیابی حاصل کی۔ منور حسین فلاحی مرحوم نے ایم، اے اردو میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے، ڈاکٹر محمد اسحٰق صدیقی نے۔ بی، اے اور ایم اے تاریخ میں جامعہ ملیہ دہلی سے، ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے ایم اے سیاسیات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے، اوصاف احمد فلاحی نے ایم اے عربی میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے، ڈاکٹر سمیع اختر فلاحی نے ایم اے عربی میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے، حافظ معین الدین فلاحی نے جامعہ ملیہ دہلی سے اور فرحان احمد زہری فلاحی نے علیگڑھ مسلم

یونیورسٹی سے گولڈ میڈل حاصل کئے، ڈاکٹر صلاح الدین ایوب سجانی نے جامعہ ملیہ سے اکنامکس سے بی اے کے دوران گولڈ مڈل حاصل کیا۔

اسی طرح یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی جانب سے فیلو اسکالرشپ کے مستحق قرار پانے والوں کی لمبی قطار ہے، چند کا ذکر کیا جاتا ہے، جس میں ڈاکٹر منور حسین فلاحی مرحوم، ڈاکٹر سمیع فلاحی، ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی، اور ڈاکٹر ابونافع فلاحی قابل ذکر ہیں۔ یو، جی، سی کی طرف سے منعقد ہونے والے لکچرر شپ ٹسٹ میں کامیابی حاصل کرنے والے کم نہیں ہیں، محمد طارق بھوپالی فلاحی اور محی الدین ساجد فلاحی، محی الدین غازی، عطاء الرحمٰن انور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔مختلف موضوعات پرڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی اتنی زیادہ ہے کہ ہمارے لئے ان سب کا نام لینا مشکل ہے۔بطور مثال چند درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر سید خالد حامدی، ڈاکٹر منور حسین، ڈاکٹر عبیداللہ فہد، ڈاکٹر اشتیاق دانش، ڈاکٹر طارق جمیل، ڈاکٹر محمد احمد، (سیوان) ڈاکٹر توقیر عالم، ڈاکٹر ابوالنصر، ڈاکٹر اطہر کمال، ڈاکٹر اطہر حسین، ڈاکٹر نثار احمد، ڈاکٹر محی الدین غازی، ڈاکٹر رضوان رفیقی، ڈاکٹر صلاح الدین ایوب سجانی نے مختلف موضوعات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ یونانی میڈیسن میں ایم ڈی کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے جیسے حافظ شوکت فلاحی، طارق احسن فلاحی، (بلریا گنج)، غفران احمد فلاحی، عبدالعزیز فارس، وسیم احمد فلاحی، انس اظہار فلاحی، ارشد جمال فلاحی قابل ذکر ہیں۔

قاری عرفان احمد شمسی مرحوم کو جامعہ از ہر قاہرہ میں بین الاقوامی تجوید کے مقابلہ میں اول انعام حاصل کرنے پر عالم اسلام کے متعدد ممالک کے سفر کی سہولت فراہم کی گئی۔ رابطہ عالم اسلامی اور افسو(الاتحادالاسلامی العالمی للمنظمات العلابیۃ) کی نمائندگی کرتے ہوئے ڈاکٹر عبیداللہ فہد نے چین کے مسلمانوں کی سماجی، تہذیبی، معاشی اور دینی صورتحال کا جائزہ لیا، ڈاکٹر اشتیاق دانش برطانوی شہر لیسٹر میں واقع اسلامک فاؤنڈیشن میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان باہمی تعلقات کے پروجیکٹ پر ریسرچ فیلو رہے ہیں۔ڈاکٹر رضوان احمد فلاحی نے برمنگھم یونیورسٹی سے ایم فل کیا ہے۔

تعلیم کے مختلف میدانوں میں فلاحی برادران نے جو مسابقت کی ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔

سیاسی و سماجی خدمات

اسلام کی نگاہ میں دین و دنیا ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہیں۔ وہ دین کو سیاست سے جدا نہیں سمجھتا۔ ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ہمارے فارغین سیاسی میدان میں بھی کسی حد تک دخیل ہیں وہ جس معاشرہ میں رہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس کے بھلے برے سے بے تعلق ہوں۔ بلکہ ان کا وزن خیر وصلاح کے پلڑے میں پڑتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد، اپنے معاشرہ میں سیاست کو صحیح رخ دیتے، اور اپنے معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سماجی خدمات کا جہاں تک تعلق ہے، دعوت وتحریک سے وابستہ کوئی فرد اپنے سماج سے بے تعلق کیسے رہ سکتا ہے۔ لوگوں کی خدمت کرنا، ان کے بھلے برے میں کام آنا، ان کی خوشی اور غم میں شریک ہونا، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، ضعیفوں، کمزوروں، مجبوروں کی خبر گیری، بے روزگار کو روزگار فراہم کرنا، لوگوں کی ضرورتوں میں ان کے کام آنا، ان کے دوا علاج کی فکر کرنا، پڑوس کی خبر رکھنا، برادران وطن سے خوشگوار تعلقات بنائے رکھنا، آفات ارضی وسماوی میں ان کے کام آنا، شر پسندوں کی کوششوں کو ناکام کرنا، مظلوموں کا ساتھ دینا اور سب سے بڑھ کر انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرنا یہ فارغین کا امتیاز ہے۔ ان میں کس کس کا نام لیا جائے۔ ان میں چند نام بہت ہی نمایاں ہیں، ابوبکر صدیق فلاحی مرحوم، مشرف حسین صدیقی فلاحی، ادہم فلاحی، نعیم احمد غازی فلاحی، شمس الدین فلاحی، ڈاکٹر ملک محمد فیصل فلاحی، صباح الدین ملک فلاحی، جاوید بیگ فلاحی، عابد بیگ فلاحی، مطیع الرحمٰن حنیف فلاحی، موسیٰ کلیم فلاحی، اکرام الرحمٰن فلاحی، انعام اللہ فلاحی (حال مقیم ریاض) وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے فارغین اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اس کام کے لئے معتد بہ تعداد نے فن طب کو بھی اختیار کر رکھا ہے۔ کسی بھی سماج کے سب سے بڑے محسن دو ہیں ایک استاد دوسرا حکیم وطبیب۔ فلاحی ڈاکٹروں حکیم ابوذر فلاحی، ڈاکٹر یونس فلاحی، ڈاکٹر عبدالقوی فلاحی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن خالد، ڈاکٹر نسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر احسان احمد، ڈاکٹر طارق احسن (بلریا گنج)، ڈاکٹر مظفر الاسلام (علاء الدین پٹی)، ڈاکٹر غفران احمد اعظمی، ڈاکٹر محمد شعیب کانپور، ڈاکٹر شمیم الرحمان گونڈہ، ڈاکٹر حافظ محمد شوکت کانپور، ڈاکٹر حافظ صباح الدین زمین رسولپور، ڈاکٹر حافظ ظفر احمد میرٹھی، ڈاکٹر اسرار احمد جیراج پوری اور دوسرے فلاحی ڈاکٹروں کا نام ڈاکٹر ملک فیصل، ڈاکٹر فیصل اقبال، ڈاکٹر فیضان احمد بلریا گنج، ڈاکٹر عبیدالرحمٰن غازی نئی دہلی لیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ ڈاکٹر ہیں جو لوگوں کو لوٹنے کے بجائے ان کی خدمت کرتے ہیں۔

سوشل ورک کے میدان میں بھی ہمارے متعدد ساتھیوں نے قدم رکھا ہے۔ نجم الثاقب فلاحی اور راشد جمال فلاحی نے ماسٹر آف سوشل ورک کیا ہے۔ اس فیلڈ میں اور بھی ساتھی کام کر رہے ہیں، جن کا نام اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔

عملی سیاست میں بھی ہمارے بعض فلاحی شریک رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق اور سید راشد حامدی فلاحی اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنی اپنی فیکلٹیز سبجیکٹ ایسوسی ایشن کے سکریٹری رہے ہیں۔ پھر دونوں اسٹوڈنٹس جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کونسل ممبر ہوئے۔ حافظ معین الدین فلاحی اسٹوڈنٹس یونین جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نائب صدر اور کارگزار صدر بھی رہے ہیں۔ حافظ معین الدین فلاحی اور سید راشد حامدی کیبنیٹ ممبر بھی رہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین ایوب جامعہ ملیہ میں سینئر ہاؤس مانیٹر رہے۔ حافظ محمد اعظم بیگ فلاحی اے ایم یو اسٹوڈنٹس یونین کے صدر رہے ہیں۔ ان کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ یونین کی تاریخ میں سب سے زیادہ ووٹ انہیں ملے ہیں۔ حافظ ارشاد مخدوم پوری فلاحی گوپال پور حلقہ (اعظم گڑھ) سے جیت کر اسمبلی ممبر رہے ہیں۔

یہاں میں اس گفتگو کا حوالہ ضرور دینا چاہوں گا جس میں، بحیثیت مجموعی تمام فلاحیوں پر تبصرہ ہے۔ جامعہ کے ایک سابق استاد مفتی عبدالرؤف قاسمی صاحب نے سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی سے ۲۰ ردسمبر ۱۹۸۸ء کو اساتذہ جامعہ کی ایک نشست میں پوچھا تھا کہ ''مولانا! کیا بات ہے، سات آٹھ سال طلبہ ہمارے درمیان رہتے ہیں لیکن یہاں سے دوسرے اداروں میں جا کر وہاں کا اثر بہت جلد قبول کر لیتے ہیں اور اپنی خو، بو بھول جاتے ہیں'' مرحوم امیر جماعت نے بڑے اطمینان اور شرحِ صدر کے ساتھ جواب دیا تھا ''.......بحیثیت مجموعی آپ کی بات صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک جامعۃ الفلاح کا تعلق ہے تو میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ جامعہ کے طلبہ دیگر درسگاہوں کے مقابلہ میں اس درجہ متاثر نہیں ہوئے ہیں جتنا دیگر درسگاہوں کے طلبہ متاثر ہوئے ہیں۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جو طلبہ فارغ ہو رہے ہیں ان سے بے متعلق نہ ہوں، ان سے ربط رکھیں۔''

فارغین جامعہ کی خدمات نامکمل سمجھی جائیں گی اگر انجمن طلبہ قدیم کا تذکرہ نہ ہو۔ مولانا شہباز اصلاحیؒ نے اس کے اجلاس عام کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں لکھا تھا ''...... یوں تو کم وبیش سبھی مدرسوں میں طلبہ قدیم کی انجمنیں قائم ہیں لیکن بیشتر بس نام کی ہیں۔ مدرسہ کے کسی بڑے جلسہ کے وقت آنے والے طلبہ مل بیٹھتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے ہیں۔ کوئی مستقل پروگرام نہیں چلتا۔ لیکن الحمدللہ آپ کے یہاں ایسا نہیں ہے۔ میری معلومات کی حد تک آپ کی انجمن طلبہ قدیم شاید واحد انجمن ہے جو مستقل پروگرام رکھتی ہے، مادرِ علمی سے قلبی تعلق رکھتی ہے، وہاں کے ذمہ داروں کے خلاف محاذ بنانے کے بجائے تعاون کرتی ہے، اپنے پیش رو اور پس رو ساتھیوں کی خبر گیری کرتی اور ممکن تعاون کرتی ہے، یہ میرے ہی لئے نہیں، ہر اس شخص کے لئے جو جامعہ سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے، انتہائی خوشی کی بات ہے۔ آپ کی انجمن ایک فعال اور سرگرم انجمن ہے، میں آپ کو کیا پیغام دوں۔ میں خود آپ کی

سرگرمیوں سے اپنے دل کی بجھتی ہوئی حرارت کو بچانے میں مدد لیتا ہوں......''

ترجمہ، تصنیف، صحافت اور ادب

آج کے موجودہ دور میں ترجمہ، تصنیف، صحافت اور ادب سے کسے مجال انکار ہے، ایک شخص کسی دور دراز گوشہ میں بیٹھ کر اس کے ذریعہ اپنی باتیں لاکھوں انسانوں تک پہنچا سکتا ہے۔ فارغین جامعہ کا نصب العین احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ یہی مقصد ان کی تصنیفات، ترجموں، صحافت اور ادبی نگارشات میں نظر آتا ہے۔

اب تک کی پچھلی گفتگو میں بہت ساری تصنیفات اور ترجموں کا ذکر گذر چکا ہے، یہ تصنیفات اور ترجمے ادب کی خدمت نہیں ہیں۔ ادب تو نام ہی حسن کلام اور تاثیر کلام کا ہے۔ کیا اس سے ہمارے فارغین کی تصنیفات اور ان کے ترجمے خالی ہیں؟ ہم شبلی نعمانی اور مولانا آزاد کی بات تو نہیں کرتے لیکن یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ فارغین کی یہ کاوشیں ادبِ عالی کا مقام رکھتی ہیں۔

اپنے مصنفین میں ابوالمکارم فلاحی، حبیب احمد جمالی، مولانا رحمت اللہ اثری، خالد سیف اللہ فلاحی (اردن)، نسیم احمد غازی، ڈاکٹر خالد حامدی، ڈاکٹر محمد اسحاق (سیوان)، خورشید احمد فلاحی، عبیداللہ فہد، ڈاکٹر اشتیاق دانش، ڈاکٹر محمد ارشد، ڈاکٹر طارق جمیل، ڈاکٹر فیضان احمد (علیگڑھ)، عبدالعزیز سلفی، عبیدالبراثری، ڈاکٹر توقیر عالم، ڈاکٹر سمیع اختر، ڈاکٹر محمد احمد (سیوان)، محی الدین ساجد، اطہر احسن مستقیمی، اطہر کمال، مجاہد احسن، مجاہد شبیر (کشمیر)، ڈاکٹر محی الدین غازی، جاوید سلطان، شاہد کریم اللہ، ابوزید (بسہم)، علاءالدین (نیپال)، طاہر حسین (نیپال)، نظر الحسن (نیپال)، ادریس جمیل، نیپال، حسن حبیب نیپال، ذوالفقار علی، ضمیر الحسن فلاحی (علی گڑھ) عامر عارف (نیپال)، ڈاکٹر مسعود عالم، انیس احمد مدنی، ڈاکٹر صلاح الدین ایوب، ذکی الرحمٰن غازی، ڈاکٹر عمیر منظر، سید راشد حامدی، رضوان رفیقی فلاحی، ثاقب عمران فلاحی کے نام قابل ذکر ہیں۔ آفتاب عالم فلاحی (نجمی) نے بھی تصنیفی میدان میں بالخصوص نثری ادب میں کافی کام کیا ہے۔ ذکی الرحمان غازی جامعۃ الفلاح میں جمعیۃ الطلبہ کے سکریٹری رہے، ساتھ ہی ایس آئی او کے ذمہ دار بھی رہے۔ اس وقت جامعۃ الفلاح میں استاذ ہیں۔ ان کی ایک درجن سے زائد ترجمہ اور تصنیف کردہ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

ڈاکٹر خالد حامدی کی پی ایچ ڈی کا موضوع مساھمۃ الھند باللغۃ العربیہ فی علوم الحدیث النبوی تھا۔ یہ ٦ جلدوں میں ہے۔ ان کی مطبوعات کی تعداد ١٣ ہے۔ (مضامین اردو، عربی، ہندی میں) تقریباً پانچ سو ہیں جو ہندو پاک کے رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کی اہم مطبوعات میں نام لیا جا سکتا ہے۔ ا۔ عربی زبان وادب۔ ایک تاریخی مطالعہ ٢۔ ویدک دھرم سوامی دیانند سرسوتی کے نقطہ نظر سے ٣۔

تلاش اقبال (مرتبہ) ۴۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔حالات، دینی خدمات ۔۵۔ میں نے اسلام کیوں قبول کیا۔(اردو، ہندی، آسامی) ۶۔ ہمارا اسلام قبول کرنا۔ (مرتبہ)

ڈاکٹر عبیداللہ فہد کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

خدا کی بستی میں سفرنامہ لاہور واسلام آباد، اسلام کی سیاسی فکر اور مفکرین۔ پہلی صدی ہجری سے شاہ ولی اللہ دہلوی تک، اسلامی عمرانیات۔شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار کا مطالعہ، اخوان المسلمون۔تزکیہ، ادب شہادت، احیائے دین اور ہندوستانی علماء۔نظریاتی تفسیر اور عملی جدوجہد، مدارس اسلامیہ کی دینی ودعوتی خدمات، دیوارِچین کے سائے میں۔ایک سفرنامہ، سیاست الہلال اور ہندوستانی مسلمان، سید قطب شہید حیات وافکار، تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں، اس کے علاوہ انگریزی میں نو، دس کتابیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی ایک اچھی سی کتاب ''ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار یادیں'' ابھی چند سالوں قبل منظر عام پر آئی ہے۔ضمیرالحسن خاں فلاحی کی متعدد کتب اور تراجم مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہو چکے ہیں۔راقم کی ترتیب کردہ ایک کتاب ''ذکر شہباز'' ہے جو مختلف جہتوں سے اپنی اہمیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر سمیع اختر فلاحی، پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

عربی تنقید نگاری: قدیم وجدید رجحانات ایک مطالعہ، علامہ عبدالعزیز میمنی: حیات وخدمات، امت مسلمہ کی تعمیر، عربی کتابوں کے تراجم کے ذیل میں: انقلابی شخصیات، شیخ شہید حسن البنا، فلسطین سازشوں کے نرغے میں، تحریک اسلامی: ایک جائزہ، تحریک اسلامی کو درپیش سیاسی چیلنجز، دعوت اسلامی کے جدید تقاضے، تضامن اسلامی اور مملکت سعودی عرب، غلبہ اسلام کی بشارتیں، اسلامی تہذیب کا روشن مستقبل، طلبہ تحریک: سرگرمیاں، مسائل اور رہنمائی، بیت المقدس اور تہذیبی کشمکش، تربیتی نقوش قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر توقیر عالم (علی گڑھ) کے تقریباً ڈیڑھ سو مقالات ملک وبیرون ملک کے مجلّات وجرائد کی زینت بن چکے ہیں۔کم وبیش پچاس مقالات قرآن سے متعلق ہیں۔قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ایک سو دس سمیناروں میں مقالات اور محاضرات پیش کئے ہیں۔۲۳؍کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

علماء سلف کی قرآن فہمی، قرآن سرچشمہ فکروفن، عہد عباس کے چند ائمہ علم وفن، اسلام میں کامیابی کا تصور، سرسید کا اصلاحی مشن، تحریک اسلامی اور مساجد، اسلام کا نظریۂ امن، مطالعہ دینیاتِ اسلام (تھیالوجی کے کورس میں یہ کتاب دس سالوں سے شامل ہے)، اصلاحِ معاشرہ اور دعوت وتبلیغ کا قرآنی طریقہ کار، سرسید کا دینی شعور، ہندوستانی مذاہب، مطالعہ ہندو دھرم، افکارِ سرسید کی عصری معنویت،

احیائے اسلام کی عالمی جد وجہد اور موجودہ چیلنجز، دی ہولی قرآن اینڈ دی اورنٹیرلسٹ، برٹش اسٹڈیز ان دی قرآن، اسٹڈیز ان مسلم تھیالوجی (یہ بھی شعبہ دینیات کے کورس میں داخل ہے۔)

محمد شاہد کریم اللہ (بندول) جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کے کلیۃ الشریعہ میں زیر تعلیم ہیں۔ ان کے ایم اے کے مقالہ کا عنوان تھا مسائل الامام احمد بروایۃ ابی طالب المشکانی فی کتاب العقد والنکاح والطلاق والخلع والایلاء۔ جمعاً ودراسۃ۔ اس میں امتیازی نمبرات سے پاس ہوئے ہیں اور پی ایچ ڈی میں داخلہ ہوگیا ہے۔

مجاہد شبیر فلاحی (کشمیر) کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

اجتماعیت کا دینی تصور اور عصر حاضر کے تقاضے، اسلام بحیثیت نظام زندگی، نیکی کا قرآنی تصور، غزوۂ احزاب: عالمی حالات کے تناظر میں، روزہ اور رمضان: تعارف اور پیغام، حیا کا اسلامی تصور، فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (پانچ احادیث کے دروس)، ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (سات احادیث کے دروس)، مجموعۂ احادیث (خرم مرادؒ کے مرتب کردہ چالیس احادیث کی مکمل تشریح)۔

مختلف زبانوں سے کتابوں اور مضامین کے مترجمین کی بھی ایک خاصی تعداد ہے۔ ابوالمکارم فلاحیؔ، مظہر سید عالم فلاحی، نسیم احمد غازی فلاحی، عبدالحق فلاحی (بستی)، سید راشد حامدی فلاحی، عبدالحی فلاحی (گیا)، عبدالحلیم فلاحی (کوہنڈہ)، رضوان احمد فلاحی (لندن)، ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر سمیع اختر فلاحی، مزمل حسین فلاحی، حافظ احسان الحق فلاحی، جاوید احسن فلاحی، قاسم ذکی فلاحی، زین العابدین فلاحی، ڈاکٹر محی الدین غازی، اکرام الرحمان فلاحی، (ململ) عابد بیگ فلاحی وجاوید بیگ فلاحی، ذکی الرحمٰن غازی، ابوالاعلیٰ سید سبحانی، شمشاد حسین فلاحی، عبدالرحمان زریاب فلاحی، شاہ عالم فلاحی، اشتیاق عالم فلاحیؔ، ذوالقرنین حیدر سبحانی نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر منور حسین فلاحیؒ، طارق فارقلیط فلاحی، شمشاد حسین فلاحی، ڈاکٹر محی الدین غازی، اور ابوالاعلی سید سبحانی ''رفیقِ منزل'' کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ طارق حسین فلاحی بھی ایک زمانہ میں اس سے وابستہ تھے۔ اس وقت ابوالاعلیٰ سید سبحانی رفیق منزل اور حیات نو دونوں کے ایڈیٹر ہیں۔ جامعہ اسلامیہ شانتاپرم سے شائع ہونے والے یادگار مجلّہ میں ابوالاعلی اعزازی مدیر رہے۔ دعوت کے کئی خصوصی شماروں ''مسلم دنیا: انقلاب کی دستک''، ''حیات طیبہ کا دعوتی پہلو''، ''غزہ: تاریخ فلسطین کا ایک اہم باب'' میں پرواز رحمانی کے معاون خصوصی یا معاون اعزازی کے طور پر بھی ابوالاعلیٰ سید سبحانی کا نام موجود ہے۔ ابوالاعلی سید سبحانی سے قبل قاسم سید فلاحی اور ڈاکٹر محمد ارشد بھی دعوت میں اپنی خدمات

دے چکے ہیں۔شمشاد حسین فلاحی رفیق منزل کے علاوہ گزشتہ زائد از دس سالوں سے ماہنامہ حجاب اسلامی کی ادارت فرمارہے ہیں۔ڈاکٹر محی الدین غازی نے جماعت اسلامی کے عربی خبرنامہ کی ادارت بھی فرمائی۔

اس وقت صحافت کے میدان میں قاسم سید فلاحی کا نام نمایاں ہے۔موصوف روزنامہ اردو خبریں کی ادارت فرمارہے ہیں۔اس کے علاوہ دانش ریاض فلاحی ممبئی بھی معیشت کی ادارت اور اپنی صحافتی سرگرمیوں کے سبب معروف ہیں۔ممتاز عالم فلاحی جماعت اسلامی کے انگریزی ویب پورٹل انڈیا ٹومارو کے ایڈیٹر ہیں۔سید راشد حامدی فلاحی روزنامہ جریدہ انٹرنیشنل ٹائمز دہلی کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔مجاہد شبیر فلاحی اور ذاکر حسین فلاحی ماہنامہ پیام کے ایڈیٹر رہے۔عزیز نبیل فلاحی ''دستاویز'' کے ایڈیٹر ہیں۔

عبیداللہ فہد، مزمل حسین فلاحی، اشتیاق دانش فلاحی، فرحان احمد زہری، عبدالعزیز سلفی، حسن حبیب فلاحی، عبدالحمید فلاحی (بستی)، عبدالرب اثری موومنٹ کی ادارت سے وابستہ رہے ہیں۔جاوید اشرف فلاحی، راشد حامدی فلاحی، نور محمد فلاحیؒ، انصار احمد فلاحیؒ، حافظ احسان الحق فلاحی، طارق فارقلیط فلاحی، ولی اللہ سعیدی فلاحی، عبدالبر اثری فلاحی، زبیر ملک فلاحی اور راقم نے مختلف اوقات میں مجلّہ حیات نو کی ادارت سنبھالی ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ، ماہنامہ ''جامعہ'' کے سابق مرتب اور ''اسلام اور عصر جدید'' دہلی کے معاون مدیر رہے ہیں۔حسن حبیب فلاحی سہ ماہی ''پیغام'' (نیپال) کے چیف ایڈیٹر اور محمد ادریس بن جمیل فلاحی ایڈیٹر رہے ہیں۔محمد ادریس سعید فلاحی بھی اس رسالہ کے مدیر کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔اس وقت ذوالفقار علی فلاحی مدیر کے فرائض اور سراج احمد برکت اللہ فلاحی مدیر معاون کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ، نیپال میں جو نیپالی ماہنامہ مدھر سندیش کے نام سے سترہ سالوں سے مسلسل شائع ہورہا ہے، اس میں فلاحی برادران اپنا مضمون لکھتے رہتے ہیں۔اس نیپالی رسالہ کے مستقل قلم کاروں میں علاوالدین فلاحی، ذوالفقار علی فلاحی، نظر الحسن فلاحی اور عامر عارف فلاحی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر محمد احمد فلاحی ملّی ٹائمز (دہلی) کے ایڈیٹر رہے ہیں۔اس وقت ''ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی'' علی گڑھ کے منیجر کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔عبدالحی فلاحی (گیا) ''دعوت'' اور قومی آواز'' میں کام کرنے کے بعد امریکن ایمبیسی کے انفارمیشن سنٹر میں چیف نیوز ایڈیٹر رہے ہیں۔ابوالمکارم فلاحی، شبیر فلاحی (دہلی)، طارق اکرام اللہ فلاحی، رضوان احمد فلاحی (لندن) اور افکار احمد فلاحی جماعت کے عربی رسالہ ''الدعوۃ'' میں مختلف اوقات میں بحیثیت سب ایڈیٹر کام کرتے رہے ہیں۔عبدالحق فلاحی، نسیم غازی

فلاحی ہندی کے اچھے مضمون نگاروں میں ہیں۔حکیم عبدالباری، صباح الدین ملک فلاحی، ضیاء الدین ملک فلاحی، احسان اللہ فہد فلاحی، عبدالحی شاہد فلاحی، طارق احسن فلاحی (گیا) محمد احمد فلاحی، محی الدین غازی اچھے مضمون نگاروں میں ہیں اور صحافتی تجربہ اور بہترین ادبی ذوق رکھتے ہیں۔

عبداللہ علائی فلاحی ممبئی کے ایک کالج میں جرنلزم کے استاد ہیں۔ اسجد نواز (بہار) بنگلور سے شائع ہونے والے ''سہارا'' کے مدیر رہے۔ سبطین کوثر موتیہاری، مشرقی چمپارن روزنامہ سہارا سے ۲۰۰۶ء سے وابستہ ہیں اور اس وقت چمپارن کے زونل چیف ہیں۔ اردو سہارا کے ٹی وی چینل میں متعدد فلاحی ہیں جن میں نعمان فلاحی (ارریہ، بہار) بھی ہیں۔

الکٹرانک میڈیا میں صداقت حسین، اسامہ مدنی (بھاگلپور)، یاسر افتخار (بدایوں) کے علاوہ اور بھی کئی فلاحی ہیں۔ سید راشد حامدی فلاحی ڈی ڈی اردو کے ایڈیٹر ہب میں بطور لینگویج ایکسپرٹ کام کرتے رہے ہیں اور کے ایم آصف اعظمی فلاحی ڈی ڈی اردو میں ڈائرکٹر کی سطح کے کنسلٹنٹ رہے ہیں۔ ظل الرحمٰن (بہار) بھی صحافت سے وابستہ ہیں۔ ایک فلاحی ریڈینس میں بھی ہیں۔

ڈاکٹر خالد حامدی صاحب کا ماہنامہ رسالہ ''اللہ کی پکار'' جو دینی، دعوتی اور تربیتی موضوعات پر مبنی ہے، سالوں سے شائع ہو رہا ہے۔ امتیاز وحید فلاحی (بہار) کے مضامین رفیق منزل کے علاوہ بعض دوسرے رسالوں کی بھی زینت بنے۔ 2001 میں جے این یو سے صحافت کے ایک جز وقتی کورس کے دوران انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن (ICCR) کے سارک ممالک سطح کے تحریری مقابلہ بعنوان ''مولانا ابوالکلام آزاد اور مسلم معاشرہ کی اصلاح'' میں انھیں دوسرا انعام دیا گیا۔ اس کے بعد یو جی سے NET بھی پاس کیا۔ ان کی ایم فل کا موضوع ''پیروڈی'' تھا۔ پیروڈی کا تعلق اصناف سخن میں فکاہیہ ادب سے ہے۔ یہ قدرے نو وارد صنف ہے جو یونان سے چل کر انگریزی ادب کے راستے اردو ادب کا حصہ بنی۔ اس فن پر آپ کی کئی کتابیں بطور خاص ''پیروڈی کا فن'' منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی پی ایچ ڈی کا موضوع تھا ''اردو مکاتیب میں نو آبادیاتی ہندوستان کا سیاسی و سماجی منظر نامہ''۔ یہ ایک اہم فکری گوشہ ہے جو مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال سے بالواسطہ تعلق رکھتا ہے۔

طارق احسن فلاحی (گیا) کی تقریباً چالیس کہانیاں اور افسانے درج ذیل رسالوں اور ڈائجسٹوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ماہنامہ ہدیٰ ڈائجسٹ دہلی، ماہنامہ طلوع، کشمیر، ماہنامہ رفیق پٹنہ، ماہنامہ حیات نو، جامعۃ الفلاح، ماہنامہ الحسنات رام پور، ماہنامہ ذکریٰ رام پور، ماہنامہ جنت کا پھول رام پور، ماہنامہ جنت کا پھول رام پور، ماہنامہ رام پور، ماہنامہ اچھا ساتھی بجنور، ماہنامہ حجاب رام پور، ماہنامہ بتول رام پور۔

سید راشد حامدی فلاحی اس وقت ادارہ ادب اسلامی کی مرکزی مجلس شوری کے رکن ہیں اور بطور

خازن اس کے ذمہ دار بھی ہیں۔ ادبی وصحافتی، سیاسی وسماجی اور معاشرتی مسائل پر ان کے بے شمار مضامین مختلف جرائداور رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن فلاحی (ارریہ) حال مقیم جامعہ اسلامیہ شانتاپرم ادارہ ادب اسلامی ہند منصورہ، ہاسن کے سابق سکریٹری رہ چکے ہیں۔ اس وقت ادارہ ادب اسلامی ہند شانتا پورم، کیرلہ کے سکریٹری ہیں۔ ان کی کتابیں ہیں۔ آسان اردو اسباق (غیر اردو دانوں کے لئے)، علامہ اقبال اور احمد شوقی کے افکار کا تقابلی مطالعہ (پیش لفظ: ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی)، جدید دور میں اردو اور عربی شاعری کے رجحانات کا تقابلی جائزہ، شعری مجموعہ۔

متعدد فلاحی شعر گوئی کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ سید راشد حامدی فلاحی اور عزیز نبیل فلاحی اس سلسلے کے نمایاں نام ہیں۔ حافظ احسان الحق فلاحی (عارف آئی)، پروفیسر اشتیاق دانش، سرفراز بزمی، نعیم احمد غازی فلاحی، ڈاکٹر محی الدین غازی، ریاض قاصد، سالم سلیم، عمیر منظر، نوشاد اشہر، محمد اکمل فلاحی، صادق ظلی، خبیب کاظمی، نعمان انور، ارشد جمال وغیرہ بھی اچھی شاعری کرتے ہیں۔

ادب کے میدان میں فلاحیوں کی خدمات پر الگ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ متعدد فلاحیوں نے اردو سے پی ایچ ڈی اور ایم فل کی ہے۔ نثری وشعری ادب میں بھی متعدد فلاحیوں کی نمایاں خدمات ہیں، ان کا ریکارڈ اب تک جمع نہیں ہوسکا۔ ممکن ہوا تو پھر کبھی اس پر بھی قلم اٹھایا جائے گا۔

اسی طرح عربی زبان میں ہمارے فارغین کی کیا خدمات ہیں، ان پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

میڈیا کے میدان میں بھی فارغین جامعہ کی زبردست خدمات ہیں، ان کو بھی جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ کچھ تفصیلات تھیں جو راقم نے اپنی محنت اور بعض مخلص ساتھیوں کے تعاون سے جمع کردی ہیں، حتی الامکان اس میں ناموں اور میدان ہائے کار کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن مصروفیات کے سبب شائد بہت سے نام چھوٹ گئے ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ جن حضرات کے نام چھوٹ گئے ہیں، وہ مجھے اپنی تفصیلات سے آگاہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں کچھ مزید تفصیلات بھی فراہم ہوسکیں تو اچھا رہے گا۔ ان شاء اللہ کسی مناسب موقع سے فلاحیوں کی خدمات پر مشتمل ایک اچھا ریکارڈ شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی، واللہ ولی التوفیق۔

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۱۰)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہو سکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۶۸)   مَقَام اور مُقَام میں فرق

مَقَام (میم پر زبر کے ساتھ) کی اصل قِیام ہے، یہ فعل قام ثلاثی مجرد لازم سے اسم ظرف ہوتا ہے یا مصدر میمی ہوتا ہے۔ مُقَام (میم پر پیش کے ساتھ) کی اصل اقامة ہے، یہ فعل أَقَامَ کا ظرف ہوتا ہے یا مصدر میمی یا اسم مفعول ہوتا ہے۔ قیام کا صلہ اگر باء ہوتو اس کے معنی کسی کام کو کرنا یا کسی سرگرمی کو انجام دینا ہوتا ہے، جبکہ اقامة اگر فی کے صلے کے ساتھ لازم ہوتو اس کے معنی کسی جگہ رہائش اختیار کرنا ہے۔ اور اگر مفعول بہ مراد ہوتو متعدی ہوتا ہے جیسے أقام الدین اور فأقامه۔

اس وضاحت کی روشنی میں لفظ مَقام اور لفظ مُقام کے مفہوم میں فرق واضح ہوتا ہے، لفظ مَقَام کا مطلب سرگرمی ہوگا یا سرگرمی سے انجام دینے کی جگہ یا مطلق حالت۔

جبکہ لفظ مُقَام کا مطلب رہائش یا رہائش کی جگہ ہوگا۔

گویا مَقَام کے معنی رہائش گاہ کے نہیں ہوں گے، جبکہ مُقَام کے معنی رہائش گاہ کے ہوں گے۔

دونوں لفظوں کے اس فرق کی وضاحت کے بعد ہم جائزہ لیں گے کہ قرآن مجید کے مترجمین نے اس فرق کی کس حد تک رعایت کی۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ (البقرة:۱۲۵)

''اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) مسکن ابراہیم میں ایک نماز کی جگہ بناؤ''۔ (امین احسن اصلاحی، مَقَام کا ترجمہ مسکن درست نہیں ہے۔)

''اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو''۔ (سید مودودی)

''اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ''۔ (احمد رضا خان)

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّـنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً۔ (آل عمران:۹۷)

''وہاں واضح نشانیاں ہیں: مسکن ابراہیم ہے۔ جو اس میں داخل ہوجائے وہ مامون ہے''۔ (امین احسن اصلاحی، مَقَام کا ترجمہ مسکن درست نہیں ہے۔)

''اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) ابراہیم (علیہ السلام) کی جائے قیام ہے، اور جو اس میں داخل ہوگیا امان پا گیا''۔ (طاہر القادری، مَقَام کا ترجمہ جائے قیام بھی درست نہیں ہے۔)

''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اِس میں داخل ہوا مامون ہوگیا''۔ (سید مودودی)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں مولانا امانت اللہ اصلاحی نے مَقَام ابراہیم کا ترجمہ ''ابراہیم کی سرگرمیوں اور جدوجہد کا مرکز'' کیا ہے۔اس ترجمہ سے مکہ کی اس پہلو سے خصوصیت واضح ہوجاتی ہے۔

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ۔ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ۔ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ۔ (الصافات:۱۶۴-۱۶۶)

''(فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے، اور ہم تو (بندگیٔ الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کی تسبیح بیان کررہے ہیں''۔(محمد جونا گڈھی)

''اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے، اور ہم صف بستہ خدمت گار ہیں، اور تسبیح کرنے والے ہیں''۔(سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے ترجمہ کیا:

''اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک متعین ذمہ داری ہے، اور ہم تو خدا کے حضور صف بستہ رہنے والے ہیں، اور ہم تو اس کی تسبیح کرتے رہنے والے ہیں''۔

اس سلسلے میں اسی سورہ کے آغاز کی آیتیں بھی سامنے رہیں، تو نظم قرآن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑی دلچسپ بات سامنے آتی ہے۔

وَالصَّافَّاتِ صَفّاً۔ فَالزَّاجِرَاتِ زَجْراً۔ فَالتَّالِيَاتِ ذِكْراً۔ (الصافات:۱-۳)

ترجمہ ہے:''شاہد ہیں صفیں باندھے، حاضر رہنے والے۔ پھر رب کا حکم نافذ کرنے والے۔ پھر ذکر کرنے والے۔''

مولانا کے نزدیک یہ تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں، اور ان تینوں صفات کا ذکر بالفاظ دیگر سورہ کے آخر میں دوبارہ کیا گیا ہے۔

وَالصَّافَّاتِ صَفّاً کے ہم معنی ہے وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ۔فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرا کی دوسری تعبیر ہے وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ۔اور فَالتَّالِيَاتِ ذِكْراً کے ہم معنی ہے وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ۔(الدخان:۵۱)

''خداترس لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے''۔(سید مودودی)

''بیشک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے''۔(فتح محمد جالندھری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہاں مقام مصدر میمی ہے، نہ کہ اسم ظرف، اور اس صورت میں پوزیشن کے معنی میں ہے یا خوش حالی کے معنی میں۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ۔(الرحمٰن:۴۶)

''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''اور ہر اُس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو، دو باغ ہیں''۔(سید مودودی)

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى۔(النازعات:۴۰)

''ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا''۔(محمد جوناگڑھی)

''اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا''۔(احمد رضا خان)

فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ۔ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ۔(الشعراء:۵۷،۵۸)

''تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں، اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے''۔(احمد رضا خان)

''اِس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور چشموں، اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے''۔(سید مودودی)

''تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا، اور خزانوں اور نفیس مکانات سے''۔(فتح محمد جالندھری)

''بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے، اور خزانوں سے۔ اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا''۔(محمد جوناگڑھی)

مذکورہ ترجموں میں مقام کے لئے مکانات اور قیام گاہ کا ترجمہ درست نہیں ہے، حالت اور مرتبہ درست ترجمہ ہے۔

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ۔ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ۔(الدخان:۲۵،۲۶)

''کتنے ہی باغ اور چشمے، اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے''۔(سید مودودی)

''کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے، اور کھیت اور عمدہ مکانات''۔(احمد رضا خان)

''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور زراعتیں اور عالی شان عمارتیں''۔(طاہر القادری)

''وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے''۔(محمد جوناگڑھی)

مذکورہ ترجموں میں مقام کے لئے محل، مکانات، ٹھکانے اور عمارتیں درست نہیں ہے۔ حالت اور مرتبہ درست ترجمہ ہے۔

وَمِنَ اللَّيلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَن يَبُعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحُمُوداً۔(الاسراء:۷۹)

''اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔(احمد رضا خان)

''اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے''۔(سید مودودی)

وَإِذَا تُتُلَى عَلَيُهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيُنِ خَيُرٌ مَّقَاماً وَأَحُسَنُ نَدِيّاً۔(مریم:۷۳)

''اِن لوگوں کو جب ہماری کھُلی کھُلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں: بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں؟''۔(سید مودودی)

''اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کون سے گروہ کا مکان اچھا اور مجلس بہتر ہے''۔(احمد رضا خان)

''اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے؟''(محمد جونا گڑھی)

مذکورہ ترجموں میں مَقَاما کے لئے مکان کا ترجمہ درست نہیں ہے، البتہ حالت اور مرتبہ کا ترجمہ درست ہے۔

قَالَ عِفُرِيتٌ مِّنَ الُجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبُلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيُهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ۔(النمل:۳۹)

''جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا: میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں''۔(سید مودودی)

''ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت والا امانتدار ہوں''۔(احمد رضا خان)

وَاتُلُ عَلَيُهِمُ نَبَأَ نُوحٍ إِذُ قَالَ لِقَوُمِهِ يَا قَوُمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيُكُم مَّقَامِي وَتَذُكِيرِي بِآيَاتِ اللّهِ فَعَلَى اللّهِ تَوَكَّلُتُ۔(یونس:۷۱)

''اِن کونوحؑ کا قصہ سناؤ، اُس وقت کا قصہ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''اے برادرانِ قوم، اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا سنا کر تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے''۔ (سید مودودی)

''اوران کونوح کا قصہ پڑھ کر سنادو۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں''۔ (فتح محمد جالندھری)

''اوران پرنوح (علیہ السلام) کا قصہ بیان فرمائیے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم (اولادِ قابیل!) اگر تم پر میرا قیام اور میرا اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا گراں گزر رہا ہے تو (جان لو کہ) میں نے تو صرف اللہ ہی پر توکل کر لیا ہے''۔ (طاہر القادری)

مذکورہ ترجموں میں (میرا رہنا)، اور (میرا قیام) درست نہیں ہے، بلکہ درست ترجمہ ہے، میری سرگرمی۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ۔ (ابراہیم:۱۴)

''اوراُن کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے یہ انعام ہے اُس کا جو میرے حضور جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو''۔ (سید مودودی)

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً۔ (الفرقان:٦٦)

''اور دوزخ ٹھیرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے''۔ (فتح محمد جالندھری)

''بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے''۔ (محمد جونا گڑھی)

''وہ بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے'' (سید مودودی)

''بیشک وہ (عارضی ٹھہرنے والوں کے لئے) بُری قرارگاہ اور (دائمی رہنے والوں کے لئے) بُری قیام گاہ ہے''۔ (طاہر القادری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ مستقر مستقل قیام کو کہا گیا ہے، اور مقام عارضی قیام گاہ کو کہا گیا ہے، اس کی تائید اسی سورہ کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے: ?أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرّاً وَأَحْسَنُ مَقِيلاً (الفرقان:۲۴) اس میں مستقر کے ساتھ مقیل کا لفظ آیا ہے جس کے معنی دوپہر کی استراحت کی جگہ کے ہیں۔ ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی'' (فتح محمد جالندھری) اس آیت میں مقیل کا عارضی قیام گاہ ہونا واضح ہے، پس مستقر تینوں مقامات پر مستقل قیام گاہ کے معنی میں ہے۔

خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً۔ (الفرقان:٧٦)

''وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام''۔(سید مودودی)

''ہمیشہ اس میں رہیں گے، کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ''۔(احمد رضا خان)

''اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ ٹھیرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے''(فتح محمد جالندھری)

الَّذِیْ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوبٌ۔(فاطر:۳۵)

''جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اُتارا۔ یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں تکان ہی ہوگی''۔(فتح محمد جالندھری)

''وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اتارا اپنے فضل سے، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے، نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو''۔(احمد رضا خان)

اهم اور غیر مطبوعه خطوط کی اشاعت

(۱) آئندہ شمارے سے حیات نو میں اہم اور غیر مطبوعہ **خطوط** کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۲) خطوط ایڈیٹر کے ای میل پر روانہ کریں، کوشش ہو کہ **خطوط ذاتی نوعیت کے نه هوں ، بلکه علمی اور تذکیری نوعیت** کے ہوں۔

(۳) ان میں **اکابرین تحریک اسلامی** مثلاً مولانا مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا ابواللیث اصلاحیؒ، مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اور دیگر اکابرین تحریک وملت کے ایسے خطوط جواب تک کہیں شائع نہ ہو سکے ہوں، ان کی اشاعت ہمارے لیے باعث سعادت ہوگی۔

(۴) ہمارے بزرگ اساتذہ یا اول دور کے فارغین جامعہ کے وہ خطوط بھی اس میں شامل ہوں گے، جو اپنے اندر علمی یا تذکیری پہلو رکھتے ہوں اور قارئین حیات نو کے لیے افادیت کے حامل ہوں۔

آئنده شماروں کے خصوصی موضوع

(۱) آئندہ شمارے کے لیے خصوصی کالم کا موضوع ''**اسلام سے متعلق غلط فهمیوں کا ازاله: کیوں اور کیسے**؟'' اور اس کے بعد والے شمارے کا موضوع ''**مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کی صحیح تشیص: کیوں اور کیسے**؟'' متعین کیا گیا ہے۔

(۲) موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل فکر ونظر اپنے افکار وخیالات اس طرح ارسال کریں کہ پہلے موضوع پر ۳۱ر اکتوبر اور دوسرے موضوع پر ۱۵ر نومبر تک ہمیں لازماً موصول ہو جائیں۔

(۳) کوشش رہے کہ تحریر جامع اور مختصر ہو، اور حیات نو کے ۲ر **صفحات** سے زیادہ طویل نہ ہو۔

شہادت حسینؓ: حق پرستی کی مثال کامل

جوهر جاوید گیاوی، موبائیل نمبر:08409640946

خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہؐ نے نبوت کے بعد کی اپنی تئیس سالہ دنیوی زندگی میں انتھک جدو جہد، جاں گسل محنت اور ہزار ہا قربانیوں کے بعد اس دھرتی پر ایک ایسا نظام رحمت قائم کیا تھا جو عدل و انصاف کا علمبر دار، مساوات انسانی کا داعی، امت مسلمہ کی صلاح وفلاح اور اس کے جملہ دنیوی واخروی امور کا نگراں، نوع انسانی تک خدا کے پیغام کی تبلیغ کا ذمہ دار اور ساری انسانیت کو اللہ وحدہ لاشریک کی اطاعت وعبادت کی طرف دعوت دینے والا ادارہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری میں دنیا میں پہلی بار ایک ایسے مثالی ادارہ کا قیام عمل میں آیا جو اپنے اندرونی محاسن وکمالات اوراعلی خوبیوں کی وجہ سے آئیڈیل اور مثالی قرار پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے اس ادارہ کی تمام تر قوت کو دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے استحکام ونفاذ میں معاون کی حیثیت سے استعمال کیا۔ آپؐ کے اس دنیا سے جانے کے بعد آپ کی امت اس نظام رحمت کو قائم رکھنے کی ذمہ دار تھی۔

خلافت راشدہ کے نام سے موسوم ادارہ اسی منہج پر ایک مدت تک چلتا رہا جس پر نبی آخرالزماں نے اسے چھوڑا تھا۔ بے شمار شعبوں میں غیر معمولی ترقی وتوسیع ہوئی۔ خلافت راشدہ کے ہی عہد میں اسلام جزیرۃ العرب سے باہر دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ خلافت راشدہ کا یہ نظام آخر کار یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے ساتھ ختم ہو گیا اور اسکی جگہ ملوکیت یا بادشاہت نے لے لی۔

۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری میں اسلامی تاریخ کا انتہائی دردناک واقعہ پیش آیا۔ یہ حادثہ سرورکونین کے نواسے سیدنا حضرت حسینؓ کی انتہائی بے دردانہ شہادت کا حادثہ تھا۔ اس واقعہ کو پیش آئے تقریباً 1372 سال کی ایک مدت دراز گزر چکی ہے۔ مگر اس کی المناک یادیں آج بھی زندہ ہیں۔ ہر سال محرم کے

ابتدائی عشرہ میں شہادت حسینؓ کا درد اور اس کی کسک امت مسلمہ کے درمیان پائی جاتی ہے۔ انسانی تاریخ میں اس حادثہ پر جتنا ماتم اور آہ و فغاں کیا گیا اور جتنے آنسو بہائے گئے شاید دوسرے کسی واقعہ کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا۔ آخر اس واقعہ میں ایسی کیا چیز تھی جس نے اسے حیات جاودانی سے سرفراز کیا؟ اس سوال کے جواب میں واقعہ کی معنویت پوشیدہ ہے۔

سیدنا حسینؓ نے نظام مملکت اسلامیہ کو دوبارہ ان خطوط پر لانے کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کی جو خلافت راشدہ کا طرۂ امتیاز اور اس کی روح تھی۔ جن خطوط پر خلفاء راشدین نے اسلامی مملکت کا انتظام و انصرام کیا تھا۔ جب آپؓ نے اس روشن عہد کے بنیادی اور امتیازی خصوصیات کو مفقود یا ناپید ہوتے دیکھا یا کم از کم اپنی مومنانہ فہم و بصیرت سے اس کے ناپید ہونے کی ابتداء کا ادراک کر لیا تو اب آپ جیسے خاندان نبوت کے چشم و چراغ کے لیے اسے علی حالہ انگیز کرنا مناسب نہ تھا۔ آپؓ نے اس بگڑی ہوئی صورت کو صحیح رخ پر لانے کے لیے جسم و جان کی بازی لگا دی، اور اپنے خانوادے اور حمایتیوں کے ساتھ میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرما کر رہتی دنیا تک کے لیے ایک روشن اور تابناک مثال قائم کر دی۔ آپؓ کی یہ شہادت اسلام کے حق حریت و آزادی کے لیے تھی، اسلام کے عادلانہ اور مبنی بر شورائیت نظام رحمت کو قائم کرنے کے لیے تھی۔ شخصی جبر و اکراہ کے استیصال اور قرآن و سنت کی بالادستی کے لیے تھی۔ جس حکومت کے خلاف آپؓ نے اپنی جان عزیز کو داؤ پر لگایا وہ فی الواقع خلافت علی منہاج النبوۃ نہ تھی۔ انہی اسباب کا استقراء کرتے ہوئے مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

''...اسی لیے امام حسینؓ اس پر بیعت نہ کر سکے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ جو بدتر سے بدتر نتائج بھی انھیں ایک مضبوط جمی جمائی حکومت کے خلاف اٹھنے میں بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لے کر بھی انھیں اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے، مگر انھوں نے اس عظیم خطرہ میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات امت مسلمہ کا وہ قیمتی سرمایہ ہے، جسے بچانے کے لیے ایک مومن اپنا سر بھی دے دے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات... دین اور ملت کے لیے وہ آفت عظمی ہیں جسے روکنے کے لیے ایک مومن کو اگر اپنا سب کچھ بھی قربان کر دینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔ یہ تھے وہ بنیادی اسباب جس کی وجہ سے آپؓ نے بغیر کسی مصلحت اندیشی کے جان لڑا دی۔

سیدنا حسینؓ کی شہادت کا واقعہ محض ایک فرد کی شہادت کا واقعہ نہ تھا۔ مولانا آزاد اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت حسینؓ کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا۔ اور وہ بتدریج ترقی کر کے حضرت عیسیٰؑ کی ذات تک پہنچ کر گم ہوگئی تھی۔ اس کو حضرت حسین نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا۔ خاندان نبوت، دنیا کو آباد کرنے کے لیے ہمیشہ اجڑتا رہا، حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کی، حضرت موسیٰؑ نے گھر بار چھوڑا اور نبوت محمدیؐ کے متبعین میں سے حضرت حسینؓ نے میدان کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کر دیا۔ حضرت اسماعیلؑ سے خاندان نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ انھوں نے ایک وادی ذی ذرع میں شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں حضرت حسینؓ نے بھی میدان کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا۔''

اس عظیم الشان شہادت کی یاد نتیجہ خیز تبھی ہوسکتی ہے جب پوری امت کو اس شہادت کے پیچھے کارفرما مقاصد کا صحیح ادراک ہو اور جس عظیم ترین مقصد کے حصول کے لیے ایک نہیں بلکہ 72 جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا تھا ان کو حاصل کرنے کے لیے پوری امت آمادہ ہو، اور اس نظام صالحہ کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگا دے جس کے لیے حضرت حسینؓ نے اپنی جان کو قربان کر دیا تھا۔

قرآن کریم کی رو سے خلافت راشدہ کے علاوہ کوئی بھی نظام حکومت نہ کبھی جائز رہا ہے اور آگے نہ کبھی جائز ہوسکتا ہے۔ یزید کی ولی عہدی کے بعد سے امت مسلمہ اس نظام سے محروم ہوگئی۔ اور آج تک اس کی بازیافت نہیں ہوسکی ہے۔ ہر دور کے مسلمانوں پر خلافت الٰہی کے قیام کے لیے جدو جہد کرنا فرض ہے۔ تاکہ وہ امانت جو نبی کریمؐ نے اس دنیا سے جاتے وقت امت مسلمہ کو سونپی تھی اسے دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ نبی کریمؐ کی سچی جانشینی کا تبھی حق ادا ہوگا جب امت محمد یہ آپؐ کے قائم کردہ مثالی نظام کی بازیافت کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔ اور ہر شخص، ظلم و جبر اور حریت و آزادی کے حق سے محروم کرنے والی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان کے نزدیک یہ تصور بالکل واضح ہوگا کہ اسلام کا مقصد بادشاہت قائم کرنا نہیں بلکہ اس کی بیخ کنی ہے، اسلام کا مقصد خلافت الٰہی کا قیام ہے جس کے لیے اس کے پاس زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل لائحہ عمل ہے۔ یہ حقیقت روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے اور علماء و مؤرخین کی جماعت اسے تسلیم بھی کرتی ہے کہ خلافت

راشدہ کے علاوہ جو بھی نظام حکومت امت کے اندر قائم ہوا وہ بادشاہت یا ملوکیت تھی اور اسکے حکمراں دنیوی فرماں روا۔

کیا بحیثیت مجموعی پوری امت کے لیے محض اس کا اعتراف کافی ہے؟ یا یہ حقیقت ہم سے کچھ اور مطالبہ کرتی ہے۔ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں جبکہ ہر اس شخصی مملکت کو برداشت کرنے کا جواز نہیں ہے جو انسانی آزادی و حریت اور عدل وانصاف کو پامال کرنے والی ہو۔ شورائیت کے بجائے جبر جس کی بنیاد ہو، امت کے مصالح سے زیادہ جسے اپنی حکومت کا استحکام اور اس کی جڑیں مضبوط کرنا ہو۔ اور ان مقاصد کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہوں، خواہ مسلمانوں کے خون سے بھی ہولی کیوں نہ کھیلنی پڑے۔ جبکہ اسلام جس خلافت الٰہی کے قیام کی بات کرتا ہے اس کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام و نفاذ ہے۔ کیا امت محمدیہ صرف اس اعتراف حقیقت سے اپنی اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟ خلافت کی بازیابی کے لیے پوری امت کو سرگرم عمل ہونے کی ضرورت ہے۔

سیدنا حسینؓ کی عظیم شہادت ہمیں ہر سال اپنی تاریخ کی طرف رجوع کرنے کا پیغام دیتی ہے جہاں ایک طرف ہم اس سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں وہیں ہمیں حرکت وعمل اور حوصلہ کا سامان بھی ملتا ہے۔ ضرورت ہے کہ امت مسلمہ اپنے روشن ماضی سے اپنا رشتہ مضبوط و مستحکم رکھے۔ تاکہ مستقبل کی حکمت عملی کے لیے ہمیں راہ نمائی مل سکے۔ وہ عہدِ روشن جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے اس کی خصوصیات کو ہمیں دوبارہ لوٹانے کی ضرورت ہے۔ خلافت راشدہ کا نظام رشد و ہدایت کا مینارہ ہے۔ خلفاء راشدین کی میراث ''خلافت راشدہ'' کے قیام کے لیے ہمیں سب سے پہلے اتحاد کی ضرورت ہے۔ ماہ محرم اتحاد بین المسلمین کی دعوت دیتا ہے۔ امت محمدیہ کا متحد ہونا صرف اس امت کے لیے ہی ناگزیر نہیں ہے بلکہ پوری نوع بشریت کے لیے ضروری ہے۔ ملی افتراق وانتشار نے امت کو جو ناقابل تلافی گزند پہنچائی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ دین مبین کا اولین مقصد مذاہب وملل، ذات پات اور دیگر تفریق کی بنیادوں کو مسمار کر کے تمام انسانیت کو ایک خدا کی اطاعت وعبادت پر جمع کرنا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نوع انسانیت کو اتحاد کا پیغام دینے والی امت شدید گروہی اختلافات کا شکار ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حبل اللہ المتین کو مضبوطی سے تھامنے کی جا بجا تلقین کی ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے قرآن کریم نے ان کی تباہی و بربادی کے اسباب بیان کئے ہیں۔ ان اسباب میں تفریق کو بہت نمایاں حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ایک مقام پر مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

''ولا تکونوا من المشرکین فرقوا دینھم و کانوا شیعاً کل حزب بما لدیھم فرحون (الروم:۳۲)

امت مسلمہ کے فرزندو! تم مشرکین کی روش اختیار مت کرو جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹولیوں میں بٹ گئے، ان کی صورتحال یہ ہے کہ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اس پر نازاں وفرحاں تھے۔''

نئے سال کی صبح امت محمدیہ کے لیے تغیر احوال کا پیغام لے کر آئی ہے۔ان اللہ لا یغیرما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (الرعد)

امت کے احوال و کوائف میں تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مجموعی طور پر امت اپنے احوال کو تبدیل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔سیدنا حسینؓ کو امت محمدیہ کی جانب سے خراج عقیدت و تحسین کا سچا نذرانہ یہی ہوسکتا ہے کہ پوری امت اس گوہر مقصود کی تلاش و جستجو کے لیے کھڑی ہو جائے جس کی خاطر آپ نے شہادت کی یہ جرأت مندانہ داستان رقم کی تھی۔ نبی کریمؐ اور خلفاء راشدین کے توسط سے جو متاع عزیز امت کو ملی تھی وہ درمیان راہ ہی میں لٹ گئی اس کی بازیابی کے لیے کھڑا ہونا امت کا فریضہ ہے۔سیدنا حسینؓ کی زندگی دین حق کے لے جرأت و حق گوئی، شجاعت و بہادری، قربانی و جاں نثاری، اور صبر و استقلال کا بہترین نمونہ ہے۔امت مسلمہ کے ہر فرد کے اندر ان حسینی صفات کی جھلک نظر آنی چاہیے۔آپ سے عشق و محبت کی اصل کسوٹی یہی ہے۔

غزہ اور غرورِ ستمگراں

اشتیاق عالم فلاحی، دوحہ،قطر،ای میل:i_falahi@yahoo.com

سابق اسرائیلی صدر اسحاق رابن کی یہ تمنا تھی کہ کاش غزہ کی سرزمین کو سمندر اپنا لقمہ بنالے۔ ایک دن اس کی آنکھ کھلے تو اسے یہ خوش خبری سنائی جائے کہ غزہ ڈوب چکا ہے۔ اب زمین کے نقشے پر غزہ نامی خطہ مٹ چکا ہے۔

اسحاق رابن یہودیوں کا مشہور جنگی جرنیل اور وزیر دفاع بھی رہ چکا تھا لیکن غزہ کے سامنے وہ بے بس تھا۔

وہ غزہ کے جانبازوں کا سر جھکانے، ان کا مقابلہ کرنے، ان کی عورتوں کی زبان بندی کرنے، بچوں کو خوف ودہشت میں مبتلا رکھنے اور ان کی آرزووں کا گلا گھونٹنے میں ناکام ثابت رہا تھا۔

غزہ نے نہ صرف رابن کے وحشیانہ خوابوں کو چکنا چور کیا تھا بلکہ اسرائیلی فوج اور اس کے کمانڈروں کے لیے بھی وہ ہمیشہ ایک للکار بن کر سامنے آیا۔

غزہ کے جانبازوں کی جرأت کے سامنے اسرائیلی فوج کے حوصلے ہوا کا غبارہ ثابت ہوئے۔ جب تک اسرائیلی فوج غزہ میں رہی موت اور تباہی ان کا مقدر رہی، اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس خطہ سے اسرائیلی درندوں کو نکلنا پڑا۔

آج اسحاق رابن تو نہیں ہے پر اس کا خواب حقیقت بنتا جارہا ہے۔ یہ کامیابی یہودی فوج کی محنت اور اس کے کمانڈروں کی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خود ہماری صفوں میں موجود دشمنانِ دین وانسانیت کی وجہ سے ہے، مصر میں موجود فرعون صفت درندوں کی وجہ سے ہے۔

ان یہود نواز ہاتھوں نے غزہ کی زیرِ زمین سرنگوں میں سمندری پانی چھوڑ کر نہ صرف یہ کہ یہاں کے زیرِ زمین صاف پانی کے معمولی ذخیرہ کو گندہ کر کے اہالیانِ غزہ کی مصیبت میں اضافے کی کوشش کی ہے

بلکہ یہ اس بات کی بھی سازش ہے کہ پانی کی وجہ سے یہاں کے ریتیلے علاقوں میں زمین دھنستی جائے اور ان علاقوں میں انسانی زندگی کی بقا کا کوئی امکان باقی نہ رہے، غزہ سمندر کا لقمہ بن جائے اور پھر نہ تو اسرائیل کی نینداڑانے والے غیوروں اور ناگ کا سر کچلنے کا حوصلہ رکھنے والے بہادروں کا وجود باقی رہے اور نہ ہی ان کے خطے کا۔

مصری حکمرانوں کی یہ کوشش صرف اور صرف اسرائیلی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہے جیسا کہ حماس کے لیڈر مشیر المصری نے کہا کہ

''دشمن کے ساتھ یارانہ اور اہل غزہ کے لیے اذیتیں۔۔ایک عرب ملک کے ہاتھوں غزہ کو ڈبونے کی کوشش اسحاق رابن کے خواب کی تکمیل کے لیے ہے''۔

کیا وقت بدل گیا ہے یا حالات بدل گئے؟!

ایک وقت تھا کہ ملتِ اسلامیہ کے لوگ یہ کہتے تھے کہ آؤ مل کر اسرائیل کو سمندر میں پھینک دیں اور عالم اسلام کے ماتھے پر موجود اس داغ سے چھٹکارا حاصل کر لیں، پر آج صورتِ حال بدل چکی ہے۔اب اسرائیل کو سمندر میں پھینکنے کی باتیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔

اب ستمگر سے دوستی اور مظلوم غزہ کو غرقاب کرنے اور اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پانے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔دعوی یہ ہے کہ غزہ اب مصر کے امن و امان کے لیے خطرہ ہے جس سے چھٹکارا پانا ضروری ہے۔

آج غزہ کے باشندے اپنوں کی خیانت کی وجہ سے ہمہ اقسام آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔اسرائیل کے ظالمانہ محاصرے نے اس سرزمین کو ایک قید خانہ بنا دیا ہے۔یہاں انسانیت سسک رہی ہے۔فقر و فاقہ اور تنگی و غربت میں مبتلا، زندگی کے ضروری اسباب سے محروم اہالیانِ غزہ کی زندگی عذاب بن چکی ہے۔بات صرف یہاں ختم نہیں ہوئی۔

تنگی کے باوجود عزم سے معمور اس آبادی کے لیے اب صرف اسرائیلی محاصرہ ہی آزمائش نہیں ہے بلکہ مصر سے جوڑنے والے رفح کے راستے سے بھی، جو کہ اس خطے کو دنیا سے جوڑنے والا واحد بری راستہ ہے، ان کے لیے نئی نئی اذیتوں کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ان ہی اذیتوں میں سے ایک ہے مصر کی طرف سے غزہ کو ڈبونے کی کوشش!

پر کیا اسحاق رابن کی تمنا پوری ہو جائے گی؟

غفلت میں ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ غزہ کو چکنا چور کیا جا سکتا ہے۔ غزہ نہیں ڈوب سکتا۔ ان شاءاللہ غزہ باقی رہے گا۔

جس نے بھی غزہ کی طرف برے ارادوں سے پیش قدمی کی ہے یہاں کے غیور فرزندوں نے اسے ہزیمت کی راہ دکھائی ہے۔ یہ آزمائشیں ان کو شکست سے دوچار کرنے کے بجائے ان کے حوصلوں کو نئی زندگی عطا کریں گی۔ غزہ کے حوصلے توڑنے کا ارادہ رکھنے والے چلے گئے۔ اسحاق رابن، ایریل شارون، ازمان، ارنس، ایتان دایان، باراک ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ ان کے بعد آنے والے یعلون، موفاز، اور بنی گینٹس کو بھی اس دنیا سے جانا پڑا، پر غزہ کے حوصلے آج بھی زندہ ہیں، نئی نسل کے حوصلوں میں بھی کوئی کمی نہیں۔ یہ عزم اور یہ حوصلہ اہالیانِ غزہ کی میراث ہیں، اس قوم کی میراث جو سب کچھ لٹا سکتی ہے پر اپنی غیرت وآزادی کا سودا نہیں کر سکتی۔

یقیناً غزہ کو سخت ترین مشکلات کا سامنا ہے۔ یہاں تنگدستی اور پریشان حالی کے بے شمار مناظر سامنے آتے ہیں۔ بھوک، محاصرہ، محرومی، قید و بند، خونریزی، قتل، ظلم اور آگ اور خون کا کھیل یہاں اب نیا نہیں رہا۔ یہاں انسانیت کس کرب میں مبتلا ہے اس سے دنیا واقف ہے، پر سب کے لب سلے ہوئے ہیں۔ دنیا خاموش ہے، ظالمانہ محاصرہ کو ختم کرنے کے لیے غزہ کا کوئی ہم نوا نہیں۔

غزہ جن آلام سے دوچار ہے شاید اہلِ غزہ بھی ان کا شمار نہ کر سکیں۔ ان کی یہ اذیت صرف بجلی کے بحران تک محدود نہیں۔ دنیا یہ جانتی ہے کہ غزہ میں صرف ایک پاور اسٹیشن ہے جس کے ایندھن سپلائی نظام پر یا تو اسرائیلی وحشیوں کا قبضہ ہے یا مصری فرعونوں کا۔ بجلی کی سپلائی یہاں گویا ہے ہی نہیں اور یہ صرف ایک مصیبت نہیں۔ اس نے زندگی کے تمام کاروبار کو تباہ کر دیا ہے۔ طبی سہولیات، تجارت، معیشت، تعلیم اور صنعت ہر شعبہ بجلی کے فقدان کی وجہ سے تعطل کا شکار ہے۔

اقوام متحدہ کے اعلان کے مطابق غزہ دنیا کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جہاں انتہائی گھنی آبادی ہے۔

ایک تخمینہ کے مطابق 2015 میں اس کی آبادی تقریبا 19/لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور 2025 تک یہ آبادی 25/لاکھ ہو جائے گی۔

اس بڑھتی ہوئی آبادی کے سماجی و معاشی مسائل کی طرف نہ تو عالم اسلام کی توجہ ہے اور نہ انسانی حقوق کا ترانہ پڑھنے والے کھلاڑیوں کی۔

اگر بے روزگاری کے پہلو سے دیکھیں تو اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق، یہاں دنیا کے کسی بھی علاقے سے زیادہ بے روزگاری ہے۔

20 تا 24 سال کی عمر کے افراد میں بے روزگاری کی شرح 70 فیصد سے زائد ہے جبکہ مجموعی آبادی کا 43 فیصد سے زیادہ حصہ بے روزگاری کا شکار ہے۔

حالات کے مارے یہ لوگ انتہائی معمولی تنخواہوں پر کام کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خصوصی مہارت رکھنے والے افراد روزگار نہ ملنے کی وجہ سے اپنے اختصاصی میدان سے ہٹ کر دیگر میدانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ انہیں تنخواہ پابندی سے نہیں ملتی، اگر ملتی بھی ہے تو ادھوری۔

United Nations Conference for Trade and Development کی طرف سے ایک ماہ قبل جاری رپورٹ میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ 2020 سے پہلے ہی غزہ کی صورتِ حال اتنی خراب ہو جائے کہ وہ انسانی رہائش کے لیے ناموزوں علاقہ قرار پائے۔ واضح رہے کہ اقوامِ متحدہ کے مذکورہ ادارے کی رپورٹ کو بہت ہی معروضی اور معتبر سمجھا جاتا ہے۔

گزشتہ سال غزہ پر ہونے والی اسرائیلی جارحیت کے بعد اونروا UNRWA (United Nations Relief and Work Agency for Palestine refugees) کو کئی ممالک کی طرف سے ملنے والی مالی مدد روک دی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اونروا نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ محدود کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ فلسطینی پناہ گزینوں کی ضروریات کی تکمیل میں ناکام ہے۔ ان کی طرف سے غزہ کے بہت سے کیمپوں کو فراہم کی جانے والی خدمات کو یا تو بند کر دیا گیا یا اس کا دئرہ محدود کر دیا گیا۔

غزہ ان علاقوں میں سے ہے جہاں پینے یا سینچائی کے لیے مناسب پانی کی سخت قلت ہے۔ یہاں بارش کم ہورہی ہے۔ اسرائیل کے وحشی قوانین نے فلسطینیوں کے لیے زیرِ زمین پانی سے استفادے کی راہ مسدود کر دی ہے۔ یہاں کی مٹی میں نمک کا تناسب بڑھتا جا رہا ہے جس نے زراعتی سرگرمیوں پر بہت زیادہ منفی اثر ڈالا ہے۔

ان سب پر ستم یہ ہوا کہ مصری حکومت نے غزہ سے متصل سرحدی علاقوں میں بھاری مقدار میں کھارا سمندری پانی چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ چودہ کلومیٹر طویل سرحد کے اطراف میں سمندری پانی چھوڑنے

کا مقصد غزہ سے مصر کو جوڑنے والی سرنگوں کو ختم کرنا ہے تاکہ اہلِ غزہ دوبارہ ان سرنگوں کو آمد و رفت کے لیے استعمال نہ کر سکیں۔

گزشتہ سال غزہ پر ہونی والی اسرائیلی دہشت گردی کے نتیجے میں جو تباہی آئی اس سے ہر صاحبِ نظر واقف ہے۔ مکانات کھنڈر بن گئے۔ سڑکیں برباد ہوئیں۔ کارخانے بند ہو گئے۔ کاروباری سرگرمیاں رک گئیں۔ ہزاروں ہزار خاندان بے گھر ہو گئے۔ ہزار ہا ہزار بچوں کا تعلیمی سلسلہ رک گیا۔ ہزاروں زخمی اور مریض اب بھی موت سے لڑ رہے ہیں۔ بہت سے وہ بھی ہیں جو معذور ہو گئے۔ کوئی آنکھوں سے محروم ہوا تو کوئی بے دست و پا ہے۔

غزہ کی یہ آزمائشیں اور یہ دردبھری صورتِ حال ہے۔ ایک طرف ظالم و دہشت گرد اور ان کے ہم نوا فرعون صفت افراد ہیں تو دوسری طرف مظلوم و ستم رسیدہ غزہ۔ پر کیا غزہ ٹوٹ گیا۔ کیا فاقہ مستوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ کیا وہ جینے کے لیے موت کا سامان کرنے کو تیار ہو گئے؟

غزہ پر ہونے والی وحشیانہ کارروائیوں پر محمود عباس اور فلسطینی حکومت کا موقف اور طرزِ عمل غیور قوم کے ماتھے پر کلنک ہے۔ اپنوں کی پشت پر خنجر گھونپنے والی ملی غیرت سے محروم فلسطینی حکومت کے رویے نے دشمن کے حوصلے مزید بلند کیے ہیں۔

واقعات پر نظر رکھنے والے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ غزہ کے خلاف ہونے والی بیشتر اسرائیلی کارروائیوں کے پیچھے محمود عباس اور اس کے ہم نواؤں کی در پردہ تائید شامل ہوتی ہے پر غزہ کے جیالوں کو سلام! کہ وہ بکے نہیں اور جھکے نہیں۔

قریبی دنوں میں پیش آنے والے واقعات بتا رہے ہیں کہ اب ایک نیا انتفاضہ شروع ہونے والا ہے۔ اس انتفاضہ میں اپنی جرأت کا مظاہرہ کرنے کے لیے فاقوں کے مارے اہلِ غزہ دوسروں سے زیادہ پُر جوش نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ حوصلہ ایک نئی تاریخ رقم کر کے رہے گا۔ ان شاء اللہ

وہبہ زحیلی اور فقہ اسلامی کی تجدید

ذوالقرنین حیدر سبحانی،
ای میل: zhaidersubhani@gmail.com

سولھویں صدی کے صنعتی انقلاب کے بعد، جو بعد میں علمی، فکری اور تہذیبی انقلابات کا پیش خیمہ بنا، تاریخ انسانی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ حیات انسانی نے صدیوں کے تسلسل کے بعد ایک بڑی کروٹ لی۔ تیز رفتار ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی طرز زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ علوم وفنون کو نئی زندگی ملی۔ فلسفہ کو دوبارہ ایک نئی مسند نصیب ہوئی۔ عقل انسانی جمود وغفلت کی لمبی نیند سے بیدار ہوئی۔ اس ہمہ گیر ترقی اور انقلاب نے زندگی کے تمام شعبوں پر اپنی چھاپ چھوڑی۔ اب زندگی کے مسائل تبدیل ہو گئے، حالات کا رخ ماضی سے بالکل جدا ہو گیا۔ انسانی ضرورتیں نئے لباس میں نمودار ہونے لگیں۔ تہذیب وثقافت میں نئے رنگ اور نئے ڈھنگ غالب ہونے لگے۔ ایسے میں اسلام اور فقہ اسلامی کو کئی مسائل اور چیلنجز کا سامان کرنا پڑا۔ ایک طرف روز افزوں نئے سماجی، معاشی، تہذیبی اور تعلیمی مسائل اور جدید حالات میں صحیح اسلامی رہنمائی حاصل کرنا جن کا وجود ماضی میں سرے سے تھا ہی نہیں، چنانچہ ان کی رہنمائی کے لئے موجودہ فقہ ناکافی ٹھہری۔ دوسری طرف فقہ اسلامی میں کئی چیزیں موجودہ دور اور حالات میں ناقابل عمل اور غیر حقیقی لگنے لگیں، کچھ میں عملی نفاذ کے پہلو سے سوالات اٹھائے گئے، کچھ عقل انسانی کے خلاف یا اس کے لئے ناقابل قبول ٹھہریں، چنانچہ اس درمیان میں ایک عرصہ ایسا گزرا جس میں یہ مانا جانے لگا کہ دور جدید اور فقہ اسلامی ایک ساتھ نہیں چل سکتے، اور اب یا تو مسلمانوں کو فقہ اسلامی کو اختیار کرنا ہوگا یا جدید حالات کو۔ جس کی بڑی مثال یورپ کے مسلمانوں کے لئے اسلام کو ناقابل عمل ٹھہرا کر ان کو واپس مشرق کی طرف آنے کی دعوت تھی، بالآخر فقہ اسلامی پر نظر ثانی یا تدوین جدید کی آوازیں اٹھیں، جس کے نتیجے میں دو رجحان ابھر کر سامنے آئے۔ ایک طرف حقائق سے قطع نظر ماضی کی بے انتہا محبت، روایت پرستی اور جمود کا غلبہ تھا، جس نے کسی بھی صورت میں موجودہ فقہ پر نظر ثانی کرنا گوارا نہیں کیا۔ دوسری طرف فقہ کو جدید دور کے موافق بنانے کی اس قدر لگن اور کوشش کہ ہر

قدیم چیز دائرہ شک میں نظر آنے لگی اور ہر نئی چیز محبوب لگنے لگی۔ چنانچہ فقہ اسلامی یا علوم اسلامی میں زمانی طور سے قدیم وجدید کی، دو بڑی تقسیم وجود میں آئیں۔ اب ہر میدان میں قدیم وجدید کا فرق نظر آنے لگا اور دونوں کے درمیان دوریاں بڑھتی گئیں۔ ایسے میں ضرورت ہوئی ایسے لوگوں کی جو ماضی کے ٹھوس اصولوں اور مسلمات کی تو پاسداری کریں اور ساتھ ہی ان چیزوں پر جو حالات یا رسم ورواج کے راستے فقہ اسلامی کا حصہ سمجھی جانے لگیں یا جن کی حیثیت اصولوں پر قیاس کی یا انسانی رائے کی ہے ان پر نظر ثانی کریں اور قدیم وجدید کے درمیان صحیح اور متوازن رہنمائی پیش کریں۔ بیسویں صدی میں کئی بڑے علماء واسکالرس نے اس طرف توجہ دی اور اپنی غیر معمولی خدمات پیش کیں۔ ان میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کا کام اور میدان اس قدر وسیع اور پھیلا ہوا ہے کہ وہ ایک شخص نہیں بلکہ ایک اکیڈمی، ایک عالم نہیں بلکہ ایک لائبریری، اور ایک محقق نہیں بلکہ قدیم وجدید فقہ وعلوم اسلامی کا ایک انسائیکلو پیڈیا نظر آتے ہیں۔ یقیناً وہ قدیم وجدید کے ایک خوبصورت سنگم ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی دمشق شام میں ۱۹۳۲ء میں ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی اور دمشق میں الکلیۃ الشرعیۃ سے شرعی علوم میں چھ سال کا ثانویہ کیا، اور وقت کے بڑے اور مشہور علماء سے حصول علم کا شرف حاصل کیا، جن میں علامہ مصطفیٰ زرقاء، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، محمود رنکوسی، لطفی الفیومی، صالح فرفور اور حسن حبنکہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں مزید تعلیم کے لئے ازہر یونیورسٹی مصر تشریف لے آئے، یہاں آپ نے پہلی پوزیشن کے ساتھ کلیۃ الشریعۃ سے عالیۃ کی ڈگری حاصل کی اور پھر کلیۃ اللغۃ العربیۃ سے تخصص فی التدریس کیا، ہر مرحلے میں پہلی پوزیشن آپ کا امتیاز رہی۔ یہاں بھی آپ کو بڑے بڑے نامور اساتذۂ علم وفن اور ماہرین علماء کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کا موقعہ ملا، شیخ الازہر محمود شلتوت، شیخ ابوزہرہ،، عثمان المرازقی، محمد البنا اور محمد الزفزاف کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں، جن میں محمود شلتوت کے افکار سے آپ کافی متأثر ہوئے۔

علم کی تشنگی مزید بڑھ جانے اور قانون کی طرف ذہنی میلان کی وجہ سے آپ نے لاء فیکلٹی عین شمس یونیورسٹی سے LLB اور قاہرہ یونیورسٹی کی لاء فیکلٹی سے ممتاز نمبرات سے اسلامی شریعت میں PG Diploma کی ڈگری حاصل کی اور پھر اسی فیکلٹی سے اسلامی شریعت میں آپ نے پی ایچ ڈی کی۔ پی ایچ ڈی کی لجنۃ المناقشۃ نے آپ کے مقالے کو غیر ملکی یونیورسٹیز کے ساتھ شیئر کرنے کی سفارش کی تھی۔ آپ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ''آثار الحرب فی الاسلام: مقارنۃ بین المذاہب الثمانیۃ والقانون الدولی'' دنیا بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور بڑے بڑے علماء ومفکرین نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب سند کی حیثیت سے جانی جانے لگی، اس میں جنگ وصلح سے متعلق قدیم وجدید

تمام افکار کا گہرائی کے ساتھ تقابلی مطالعہ اور معروضی جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی رائج عالمی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان جو غیر معمولی فرق ہے وہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی نے اسے اپنے موضوع پر بے مثال کتاب قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ''ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے آثار الحرب فی الاسلام میں ہمارے وسیع فقہی لٹریچر میں سے لاجواب انتخاب پیش کیا ہے اور ان چیزوں کو اس موضوع سے الگ کر دیا ہے جس کی ضرورت دراصل اب دنیا کو ہے ہی نہیں اور ساتھ ہی ضرورت کی چیزوں کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے، ہم نے اپنی کتاب فقہ الجھاد میں اس کتاب کا کافی حوالہ دیا ہے اور اس کے اقتباسات پیش کئے ہیں''۔ یہ مقالہ درحقیقت آپ کے علمی و تحقیقی سفر کی ابتداء تھی جس نے بلندی کے کئی منازل طے کئے اور کرتے چلے گئے۔

آپ کے عملی و تدریسی دور کی ابتداء ۱۹۶۳ میں ہوئی جب آپ کو دمشق یونیورسٹی میں لکچررشپ کے لئے منتخب کیا گیا۔ جہاں آپ نے علم و فضل کی خوب بارش کی اور پروفیسر کی حیثیت سے وہاں خدمات انجام دیتے رہے، البتہ آپ کی خدمات شام تک محدود نہ رہ کر پورے عالم اسلام کے لئے عام رہیں۔ چنانچہ لیبیا، تیونس، امارات، سعودی عرب، پاکستان اور کویت تک آپ کے لکچرس اور دروس وقتاً فوقتاً ہوتے رہے۔ دمشق یونیورسٹی کے علاوہ لیبیا کی محمد بن علی السنوسی یونیورسٹی، امارات کی جامعۃ الامارات، سوڈان کی خرطوم یونیورسٹی، ام درمان یونیورسٹی میں آپ باقاعدہ وزٹنگ لکچرر کے طور پر خدمات پیش کرتے رہے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام کے بڑے اور اہم علمی کاموں میں اپنا اہم کردار بھی ادا کرتے رہے۔ چنانچہ کہیں نصاب کمیٹی کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا اور کہیں انسائیکلوپیڈیا کی تیاری اور قانون سازی کے عمل میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کیں۔ بیسویں صدی کے آخر تک آپ کا مقام کچھ یوں ہو گیا کہ کوئی فقہی مجلس یا بحث آپ کی شرکت کے بغیر ناقص اور تشنہ لگنے لگی۔ چنانچہ عالم اسلام کی بے شمار اکیڈمیز اور سینٹرس کے آپ ممبر بنائے گئے خصوصاً المجمع الفقھی مکۃ المکرّمۃ، مجمع الفقہ الاسلامی جدۃ، مجمع فقہاء الشریعۃ امریکہ، فقہ اکیڈمی سوڈان، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے علاوہ بحرین، کویت، اردن، لندن، دمشق، شام کی مختلف اکیڈمیز اور سینٹرس کے فعال اور اہم ممبر رہے اور کئی جگہ صدارت کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیئے۔

آپ کا تعارف کسی ایک مخصوص میدان یا تخصص سے جوڑ کر کرپانا مشکل بلکہ انصاف کے منافی ہے۔ البتہ لوگوں نے آپ کی شخصیت کے تین پہلوؤں کو غیر معمولی اور نمایاں قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ کی شخصیت کا ایک پہلو فقہ میں غیر معمولی مہارت ہے۔ دوسرا اہم پہلو اصول فقہ پر غیر معمولی دسترس اور مہارت ہے، اور تیسرا پہلو ایک مفسر قرآن کا ہے۔ البتہ آپ کی شخصیت کی جوہری خصوصیت ایک مفکر اور

محقق کی ہے۔ دینی وعصری علوم میں گہری واقفیت اوراچھی دسترس رکھتے تھے۔آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو سے اوپر ہے،اور ہر کتاب عرق ریزی اور جانفشانی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فقہ کے ایک زندہ اور جامع تصور کے حامل لوگوں میں سے تھے،آپ نے فقہ کی رائج تعریف یعنی احکام شرعیہ عملیہ کے مجموعے کا نام فقہ ہے کے بالمقابل فقہ کی ایک وسیع اور جامع تعریف پیش کی،الفقہ معرفة النفس ما لها و ما علیها۔چنانچہ فقہ بعض محدود احکام ومسائل کے برخلاف زندگی کے ہر پہلو سے متعلق صحیح رہنمائی حاصل کرنے کا نام ہوگیا۔فقہ اسلامی میں آپ کا کام کافی وسیع اور اہم ہے۔آپ دراصل فقہ کے باب میں تقلیدی اصلاحی نظریے کے ماننے والوں میں سمجھے جاتے ہیں جس کی داغ بیل امام محمد عبدہ کے اہم شاگردوں علامہ مصطفیٰ المراغی اور مصطفیٰ عبدالرزاق نے رکھی تھی۔آپ کی فقہی اپروچ بہت ٹھوس اور ڈائنامک تھی۔فقہ پر آپ کی متعدد کتابیں ہیں اور بعض کتابیں مختلف جگہوں پر نصاب کا حصہ بن چکی ہیں۔''الوجیز فی الفقہ الاسلامی'' اور'' موسوعۃ الفقہ الاسلامی والقضایا المعاصرۃ'' چودہ جلدوں میں فقہ پر جامع کتابیں مانی جاتی ہیں۔فقہ کی تجدید کے متعلق آپ کے نزدیک شریعت کے کچھ ثوابت اور مسلمات ہیں جن کی حیثیت فریم ورک کی ہے،ان کی روشنی میں پوری فقہ کو کھنگالا جاسکتا ہے، حالات کے مطابق اس پر غور کیا جاسکتا ہے، مقاصد شریعت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اور نئے مسائل اور حالات کے حل تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ فقہ اسلامی کے زندہ تصور اور تجدیدی کردار کی بحالی کے لئے آپ نے کئی کتابیں لکھیں جس میں ''الفقہ الاسلامی فی اسلوبہ الجدید'' خاص طور پر اہم ہے۔آپ کی ایک اہم تصنیف تجدید الفقہ الاسلامی بھی ہے جو دراصل فقہ المقاصد کے مشہور اسکالر جمال عطیۃ کے ساتھ آپ کے مراسلات اور تبادلہ خیالات کا مجموعہ ہے جو بہت ہی اہم اور بنیادی موضوعات پر مشتمل ہیں۔جس میں تجدید کے حدود،اس کا منہج،اس کا دائرہ اوراس کا اختیار،ان تمام چیزوں پر باریکی کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

آپ کی زندگی کا سب سے اہم کام الفقہ الاسلامی وادلتہ نامی کتابی سلسلہ ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل فقہ مقارن پر ایک انوکھا اور منفرد کام ہے۔انفرادی طور پر فقہ مقارن کے میدان میں کی جانے والی قدیم وجدید تاریخ میں یہ سب سے بڑی پیشکش،عظیم کارنامہ اور جامع ذخیرہ ہے،اوراپنے مشمولات کے اعتبار سے یہ الموسوعۃ الفقہیۃ کویت کے بعد جو ایک پوری اکیڈمی کی محنتوں کا ثمر ہے،فقہ مقارن کا دوسرا سب سے بڑا علمی ذخیرہ مانا جاتا ہے۔اس میں موضوعات اور مضامین کی جامعیت کے ساتھ ساتھ مسالک اور ائمہ کا بھی زبردست انداز سے احاطہ کیا گیا ہے۔مسالک اربعہ کے علاوہ چار دوسرے بڑے مسالک جعفریہ، زیدیہ، اباضیہ اور ظاہریہ اور بڑے ائمہ کی آراء کو سامنے

رکھتے ہوئے تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی غیر ضروری اور از کار رفتہ موضوعات سے پہلو تہی بھی کی گئی ہے۔ اس کا اہم پیغام یا محرک یہ ہے کہ فقہ دراصل آسانی کا نام ہے چنانچہ اگر کوئی تمام فقہ میں سے دلائل کے ساتھ آسان احکام تلاش کر کے لوگوں کے لئے آسانی فراہم کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تقلید پر باقی رہتے ہوئے بھی ہم دوسری فقہوں یا مسلکوں سے استفادہ کر سکتے ہیں، البتہ مکمل تقلید سے یا فقہ سے یا ائمہ کی کوششوں سے بدظن یا متنفر ہو جانا زیادہ خطرناک اور سنگین مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو اور واضح کرنے کے لئے آپ نے الگ سے ایک تفصیلی کتاب بعنوان ''الضوابط الشرعیۃ للاخذ بالیسر'' تحریر فرمائی۔ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے کئی اسلامی یونیورسٹیز نے اسے داخل نصاب کیا اور مراجع کی حیثیت دی ہے۔ اسلامی یونیورسٹی پاکستان اور سوڈان میں یہ باقاعدہ نصاب کا حصہ ہے، بلکہ فقہ مقارن میں مرجع کی حیثیت سے ہر اسلامی یونیورسٹی کی لائبریری کی زینت ہے۔ طفیل ہاشمی، پاکستان کے قلم سے اس کا اردو ترجمہ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

اصول فقہ کو علماء نے علوم شرعیۃ میں سب سے اہم مقام دیا ہے بلکہ یہ علم ہی دراصل احکامات اور اس کے اصولوں کے درمیان کا راستہ ہے۔ نصوص سے کسی مسئلہ کو تلاش کرنے کے عمل کو ہی اصول فقہ کا علم کہتے ہیں۔ آپ نے بھی اس جانب پوری توجہ دی اور اصول فقہ کی معرفت کو شرعی علوم کا خلاصہ اور مغز بتایا ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو اصول فقہ میں مہارت اور گہرائی حاصل کئے بغیر دین کے معاملات میں اپنی رائے دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اصول فقہ کی باقاعدہ فنی طور پر ابتداء امام شافعی کی کتاب الرسالۃ سے مانی جاتی ہے گویا اصول فقہ کی پہلی باضابطہ بنیاد امام شافعی نے رکھی اور اس کے بعد ایک لمبے زمانے تک علماء وفقہاء ایک رائج اور تقلیدی راستے پر سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ علامہ شاطبی نے اس میدان میں قدم رکھا اور اصول فقہ کو نئی بلندیوں اور منزلوں سے روشناس کرایا۔ نئے گوشوں کو بے نقاب کیا، اصول فقہ میں کچھ نئی بحثیں اٹھائیں اور کچھ پرانی بحثوں کو نئے پیرائے میں پیش کیا۔ مقاصد کو ایک خاص اہمیت کے ساتھ پیش کیا اور اصول فقہ کو آسان مگر بہت جامع اور مفید رنگ میں تازہ کیا۔ نیز نئے اور جدید مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے اصول فقہ کو مزید معروضی اور نتیجہ خیز بنایا۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا کام اس میدان میں بھی مجمع البحرین اور پل کا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک بہترین انسائیکلوپیڈیا بعنوان ''اصول الفقہ الاسلامی'' تیار کیا جس کے مقدمے میں آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ یہ کتاب دراصل امام شاطبی اور طریقہ تقلیدیہ کے درمیان ایک نئے طرز کی کوشش ہے، جس میں امام شاطبی سے تاثر ضرور ظاہر ہوگا، مگر تقلیدی اصول فقہ سے بھی پورا پورا استفادہ کیا جائے گا۔ آپ کا یہ کام کافی دقیق

اور علمی کام شمار کیا جاتا ہے، یہ قدیم وجدید کو جمع کرنے کی ایک قابل قدر کوشش ہے۔ آپ کی اس مایہ ناز کتاب ''اصول الفقہ الاسلامی'' کو بھی کئی عرب یونیورسٹیز میں نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ اور جامعہ الامام ریاض میں یہ کتاب باقاعدہ دراسات علیا کے نصاب کا حصہ ہے۔ ہندوستان کے کئی اداروں میں بھی اسے داخل نصاب یا مرجع کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے۔

تفسیر میں آپ کا کام کافی وسیع، جامع اور منفرد انداز کا ہے۔ اس طور سے کہ آپ نے تین مختلف تفسیریں مختلف نہج اور الگ الگ اسلوب میں لکھی ہیں۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ مخاطبین کے فرق مراتب اور ذہنی وفکری تفاوت کے پیش نظر الگ الگ کام کیا جائے اور لوگوں کو ان کے معیار اور سطح کے مطابق قرآن سے جوڑا اور وابستہ کیا جائے۔ آپ نے تفسیر میں بھی قدیم وجدید اور مختلف تفسیری مکاتب فکر کو جمع کر کے ایک جامع اور نفع بخش تفسیر لکھنے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک اب تک موجود وسیع اور بکھرے ہوئے تفسیری ذخیرے اور تراث سے اس طور سے بے نیاز کر دیا ہے کہ اب تک کا تفسیری کام آپ کی تفاسیر میں جمع ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اب اصل کام اس غور وفکر کے عمل کو مزید آگے لے جانا ہے چنانچہ آپ اپنی بلند پایہ تفسیر ''التفسیر المنیر'' کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرا کام در اصل لوگوں کو قرآن سے قریب کر دینا اور ان کے سامنے ایک نمونہ پیش کر دینا ہے تا کہ ہر شخص براہ راست قرآن سے وابستہ ہو اور اس کو سمجھے اور بقدر ظرف اپنا حصہ تلاش کرے، کیونکہ اصل تفسیر تو وہی ہے جو ہر شخص قرآن سے براہ راست تعلق قائم کرنے کے نتیجے میں خود اپنے دل میں محسوس کرے۔

آپ کی سب سے ضخیم اور بلند پایہ تفسیر ''التفسیر المنیر'' ہے جو سولہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے تفسیر سے متعلق تمام قدیم وجدید اہم بحثوں کو تفصیل اور گہرائی کے ساتھ اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ آپ کی سب سے بلند معیار اور تفصیلی تفسیر ہے۔ آپ کی دوسری تفسیر ''التفسیر الوجیز'' ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ متوسط درجے کے لوگوں کے لئے مرتب کی گئی ہے، بلکہ یہ آپ کے وہ دروس ہیں جو تسلسل کے ساتھ آپ سے ٹی وی چینل پر نشر کرائے گئے تھے اور بعد میں نظر ثانی اور اہتمام کے ساتھ کتابی شکل میں منظر عام پر لائے گئے۔ مبتدی طلبہ اور قارئین کے لئے آپ نے ایک الگ تفسیر ''التفسیر الوسیط'' کے نام سے تیار فرمائی جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ جن موضوعات پر آپ کی قابل ذکر اور لائق استفادہ تصانیف منظر عام پر آئیں ہیں ان میں حدیث، قانون، اسلامی معاشیات، اسلامی بینک کاری، اسلامی سیاست، حقوق انسانی اور اسلامی اخلاقیات پر آپ کی کتابیں اہم ہیں۔

آپ فکر اسلامی کی ضروری تجدید کے بھی مکمل حامی رہے، چنانچہ بہت سے مفاہیم کی نظر ثانی میں

آپ نے خود حصہ لیا اور مجموعی طور پر جوہر اور اصول کو باقی رکھتے ہوئے اس پر نظر ثانی کے قائل رہے۔ آپ نے اپنی کتاب ''الاسلام دین الشوری والدیموقراطیۃ'' میں جمہوریت پر شاندار اور متوازن بحث کی ہے اور کہا ہے کہ جمہوریت دراصل اسلامی سیاست کی روح ہے، اگر اس سے حاکمیت مخلوق کو جدا کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مزید یہ بھی کہا کہ آج جمہوریت میں بہت سے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو اسلامی روح یا شریعت سے متضاد نہیں ہوتے، ان کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مساوات مرد وزن اور انسانی حقوق وغیرہ پر بھی آپ کا کام جدید فکر اسلامی کے خدوخال سمجھنے اور طے کرنے میں کافی معاون اور مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ''الاسرۃ المسلمۃ فی العالم المعاصر'' اور ''حقوق الانسان فی الاسلام'' اس تعلق سے اہم کتابیں کہی جا سکتی ہیں۔

آپ کو تحریکات اسلامی اور اسلام کے غلبہ کے لئے ہونے والی ہر حقیقت پسند اور پرامن جدوجہد اور کوشش سے بے انتہا لگاؤ اور محبت تھی۔ البتہ آپ کا ذاتی فیصلہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو علم وتحقیق کے میدان کے لئے خاص کر کے ہر ایک کو نفع اور فائدہ پہنچائیں اور فیض عام کریں، چنانچہ آپ نے مناسب سمجھا کہ کسی جماعت یا تحریک سے وابستہ ہوئے بغیر کام کیا جائے، مگر وہ تحریک اخوان المسلمون کو پسند کرتے تھے اور شام میں اخوان کی مدد اور تائید کرتے تھے۔ شام کی عوامی بیداری اور پھر فوج اور حکومت کی خون آشام حرکتوں پر بھی آپ نے اخوان اور عوام کی خاموش تائید کی تھی۔ آپ کی وفات پر اخوان المسلمون کی ویب سائٹ پر تعزیتی بیان آیا تھا جس میں اس طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ آپ تحریکات اسلامی کی کامیابی کے لئے فکرمند رہتے تھے، چنانچہ لمبے غور وفکر اور تجزیے کے بعد آپ کا ماننا تھا کہ تحریکات اسلامی کو موجودہ وقت میں کامیابی کے لئے تین پہلوؤں پر بے انتہا توجہ دینے اور کام کرنے کی ضرورت ہے اور اب تک جو سست رفتاری یا دشواریاں رہی ہیں ان کی اصل وجہ یہی تین چیزیں ہیں۔ اولا، اسلامی اصولوں اور ضوابط کی مکمل پاسداری۔ ثانیا، دور حاضر کی صحیح سمجھ اور پھر مختلف میدانوں اور شعبوں میں اسلام کی صحیح اور عملی قسم کی رہنمائی۔ ثالثا، اسلامی کاز کے لئے ہونے والی تمام کوششوں اور جماعتوں میں اتحاد واتفاق۔

عالمی سطح پر علماء کے کردار کو جس طرح محدود کیا گیا، اور سماج کے بااثر اور فعال اداروں اور جگہوں سے علماء کی بے دخلی اور برطرفی کا رویہ سامنے آیا ہے، اس سلسلے میں بھی آپ کو بے انتہا فکرمندی تھی اور اس کا ذمہ دار وہ بڑی حد تک علماء و دینی اداروں کی نااہلی کو قرار دیتے تھے۔ آپ کا ماننا تھا کہ آج جو سیاست، معیشت اور قانون کو بالکل علماء اور شریعت سے دور اور جدا کر دیا گیا ہے اس کے ذمہ دار کسی نہ کسی حد تک علماء بھی ہیں۔ آپ کا خواب تھا کہ علماء اس قدر علوم و معارف اور صلاحیتوں کے حامل ہو

جائیں کہ زندگی اور سماج کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جہاں کوئی فیصلہ یا اتفاق علماء کی شرکت کے بغیر عمل میں آئے۔ یہاں تک کہ آپ کی خواہش یہ بھی تھی کہ فوج اور جنگ کے معاملات بھی علماء کے مشوروں کے بغیر طے نہیں ہونے چاہئیں۔

اہل علم کے درمیان علمی وفکری دنیا میں اختلاف رائے ایک قابل تحسین عمل ہے، لیکن اس کے کیا حدود ہونے چاہئیں اور کس انداز سے اختلاف ہونا چاہئے، اور اس کو کس حد تک موثر ہونا چاہئے، اور باوجود اختلاف رائے اور نظریاتی اختلاف کے ایک دوسرے کا احترام اور محبت اور متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کا تعاون اور سپورٹ کس انداز سے ہونا چاہئے، ڈاکٹر وہبہ کی شخصیت اس معاملے میں ایک نمونہ کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی سے متعدد جگہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کو علمی وفکری یا فقہی اختلاف رہا بلکہ موجودہ دور میں دو بڑے فقہی رجحان میں سے دونوں ایک ایک کے سرخیل اور امام کہے جا سکتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اہم شرعی مسائل میں اختلاف ہونے کی وجہ سے یورپین کونسل برائے افتا وبحوث سے الگ ہوکر آپ نے مجمع فقہاء الشریعۃ بامریکا کی بنیاد رکھی۔ تاہم ۲۰۰۷ میں دوحہ میں علماء کی ایک عظیم الشان کانفرنس کے دوران یوسف قرضاوی کی بعض باتوں سے ایک ایرانی عالم بہت ناراض ہوئے اور یوسف قرضاوی کو ملامت کرنے لگے، ایسے میں وہبہ زحیلی ان کی حمایت میں کھڑے ہوئے اور ایرانی عالم کو خاموش کرکے بیٹھا دیا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی جب تک طالب علم رہے پڑھائی اور مطالعے کے دلچسپ مشغلے سے اپنے آپ کو کبھی فارغ نہیں ہونے دیا اور جب زندگی کے عملی میدان میں آئے تو محیر العقول کارنامے انجام دیے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کا ادراک طالب علموں کو غیر معمولی بلندیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

''کئی چاند تھے سرآسماں'': ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد افضل فلاحی،بلریا گنج
موبائیل نمبر: **09651377057**

4234 مربع کلومیٹر پر محیط، 4.5 ملین سے زائد آبادی پر مشتمل، گھا گھرا اور گومتی ندی کے درمیانی حصہ پر آباد ضلع اعظم گڑھ اردو فکشن کی ثروت مند روایت کا ہمیشہ سے امین رہا ہے۔ ضلع کے جن اساطین علم نے اردو فکشن کے افق کو اپنی فکری فطانت، تخلیقی سرگرمیوں اور فنی مہارت سے روشن کیا ہے ان میں ایک ممتاز نام شمس الرحمان فاروقی کا ہے۔ جن کی شخصیت، تبحر علمی اور ادبی سرگرمیوں کا ہر ذی علم وفہم معترف ہے۔ فاروقی نے دنیائے علم وادب بالخصوص اردو زبان وادب کے ضمن میں جو اعلیٰ وارفع اور کثیر الجہات خدمات انجام دی ہیں وہ نا قابل فراموش ہیں۔ آپ بیک وقت شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، محقق اور ماہر نقاد ہیں، نیز لغت نویسی، داستان، عروض اور ترجمہ وغیرہ کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ بقول محمد عمر میمن: ''تبحر علمی، منطقی استدلال، تحریر کے ارتکاز اور موضوع کے عین قلب میں ایک بے پناہ قوت کے ساتھ اتر جانے کے اعتبار سے فاروقی نادر روزگار ہیں''۔

ان کے انداز تحریر، منطقی استدلال اور لہجے کی قطعیت ووضاحت کو دیکھتے ہوئے انھیں موجودہ دور کا حالی قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فضیل جعفری لکھتے ہیں: ''تنقید میں شمس الرحمٰن فاروقی کی کاوشیں اور ان کے نتائج نہ صرف قابل تحسین بلکہ قابل صد رشک ہیں۔ یہی سبب ہے کہ محمد حسن عسکری نے انھیں لکھا تھا کہ لوگ آپ کا نام حالی کے ساتھ لینے لگے ہیں یعنی یہ کہ جس طرح حالی نے اپنے زمانے میں تنقید کو چند رسوم وقیود سے نکال کر نئی آگہی بخشی، اسی طرح شمس الرحمان فاروقی میں ایک ایسا نقاد نظر آتا ہے جس نے تنقید کی ایک نئی بوطیقا ترتیب دینے کی کوشش کی''۔

شمس الرحمان فاروقی کسی شخص کا نہیں بلکہ تنقید نگاری کے ایک عہد کا نام ہے۔ جنھوں نے

جدیدیت کے رجحانات کے فروغ کے ساتھ جدید تنقید میں روح پھونکی۔ مشرقی علوم پر کافی دسترس رکھنے کے ساتھ مغربی نظریات پر بھی ان کی نظر ہے۔ ان کے تنقیدی سرمایے پہ ایک نظر ڈالنے سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ جہاں ان کے تنقیدی مراحل میں مغربیات کو زیادہ اہمیت حاصل رہی، وہیں دوسرے مرحلہ میں (1975ء کے بعد) انھوں نے مشرقی شعریات بالخصوص کلاسیکی نظام بلاغت، عروض اور بیان کے مسائل اور ادب وتہذیب کے رشتوں کی طرف خصوصی توجہ دی۔ غالب اور میر کی بازیافت کر کے انھوں نے عملی تنقید کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

فاروقی نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز شاعری سے کیا، لیکن باقاعدہ آپ کی ادبی زندگی کا شمار ''شب خون'' کی اشاعت (مئی 1966ء) سے ہوتا ہے۔ اس کی ادارت کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ سارے انتظام وانصرام آپ ہی نے سنبھال رکھے تھے۔ افسوس کہ اب یہ رسالہ اردو زبان وادب کی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔

بعد ازاں اردو فکشن کی طرف راغب ہوئے۔ یکے بعد دیگرے افسانے اور ناولٹ منظر عام پر آئے، تخلیقات کی اشاعت کا گراف مسلسل بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ چالیس سے زائد تصنیفات کے خالق بن گئے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق تحقیق وتنقید سے ہے، البتہ آپ نے اپنی جنبش قلم سے ادب کی مختلف صنفوں پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ افسانوں کا مجموعہ ''سوار اور دوسرے افسانے'' گرچہ ایک ہی ہے اور شہرہ آفاق ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' بھی صرف ایک ہی ہے، مگر دونوں کی حیثیت عہد آفریں کی سی ہے۔ فاروقی کی ادبی خدمات کی وجہ سے ملک و بیرون ملک مختلف اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ معروف ترین تصنیف ''شعر شور انگیز'' جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اس کو 1996ء میں ''سرسوتی سمان'' جیسا اہم ایوارڈ ملا جسے برصغیر کا سب سے بڑا ادبی ایوارڈ کہا جاتا ہے اور اس کتاب کی وجہ سے اے ایم یو علی گڑھ کی جانب سے آپ کو اعزازی ڈی لٹ کی ڈگری بھی عطا کی گئی۔ حکومت پاکستان نے آپ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے 2010ء کا ''ستارہ امتیاز'' ایوارڈ بھی دیا ہے جو وہاں کا دوسرا سب سے بڑا ادبی ایوارڈ ہے۔

آنے والی نسلیں تم پر ناز کریں گی اے لوگو
جب ان کو معلوم یہ ہوگا تم نے فراق کو دیکھا تھا

فاروقی 30 ستمبر 1935ء کو ضلع اعظم گڑھ کے معروف ومشہور موضع کوریا پار (موجودہ ضلع مئو)

میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام خلیل الرحمان اعظمی تھا۔محکمۂ تعلیمات میں افسر تھے۔ فاروقی نے1949ء میں ہائی اسکول اور 1951ء میں انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ 1953ء میں گورکھپور سے گریجویشن (دوسال) کی ڈگری حاصل کی۔1955ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے(انگلش) کی تکمیل امتیازی نمبرات سے کی اور دو دو گولڈ مڈل حاصل کیے۔آپ کو انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں پر بہترین قدرت حاصل ہے اور عربی، ہندی، فرنچ زبانوں سے اچھی واقفیت ہے۔ بعدۂ شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج میں بحیثیت لکچرر آپ کا تقرر ہوگیا۔ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ آپ IAS کے لئے منتخب ہوگئے اور ڈاک محکمہ میں اپنی خدمات انجام دیں۔1996ء میں بحیثیت ممبر پوسٹل سروسز بورڈ وظیفہ یاب ہوئے۔

شمس الرحمان فاروقی نے بچپن ہی سے خدمت قرطاس وقلم کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا۔اس وقت لکھنا شروع کردیا تھا جب درجہ ہفتم کے طالب علم تھے۔اس وقت کے قلمی رسالہ کا نام ''گلستاں'' رکھا تھا۔ہائی اسکول تک جاتے جاتے یہ رسالہ بند ہوگیا تو دوسرے اخباروں اور رسالوں میں آپ کے مضامین اور افسانے شائع ہونے لگے۔انٹرمیڈیٹ میں داخلہ لیا تو میاں جی اسلامیہ کالج میگزین کے شعبہ انگریزی کے ایڈیٹر مقرر ہوگئے۔اسی اثنا میں آپ جماعت اسلامی ہند کے ادبی حلقہ سے متعارف ہوئے تو تحریک ادب اسلامی سے وابستہ ہوگئے۔اپنی لیاقت اور صلاحیت کی وجہ سے ادارہ ادب اسلامی گورکھپور کے معتمد بھی رہے۔اس وقت کا معروف ادبی رسالہ ''معیار'' (میرٹھ) بھی آپ کی توجہ کا مرکز رہا۔کچھ دنوں تک آپ کے مضامین یہاں بھی شائع ہوتے رہے۔ایک مشہور ناولٹ ''دلدل سے باہر'' نومبر 1951ء تا فروری1952ء تک بالاقساط شائع ہوا۔ فاروقی کی قلمی کاوشوں کا یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔اردو فکشن کی دنیا میں فاروقی کی ہمہ جہت شخصیت نے ایک عظیم ناول نگار کی حیثیت سے اپنی شناخت اس وقت قائم کرلی جب ''کئی چاند تھے سرآسماں'' کے نام سے آپ کا ناول 2006ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ناول سب سے پہلے کراچی پھر الہ آباد سے شائع ہوا۔ دوسال بعد ایک معروف ومشہور بین الاقوامی ادارہ پنگوئن بکس نے اسے شائع کردیا۔مشہور زمانہ ناول نگار انتظار حسین نے اس ناول کو اردو ادب کی دنیا میں صرف ہلچل سے ہی تعبیر نہیں کیا ہے بلکہ اسے ''امراؤ جان ادا'' جیسے شاہکار ناول کے مماثل قرار دیا ہے۔

اس ناول کا عنوان ''کئی چاند تھے سرآسماں'' شمس الرحمان فاروقی نے اپنے ایک عزیز دوست

مشتاق احمد کے شعر سے مستعار لیا ہے۔ پورا شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

کئی چاند تھے سر آسماں کہ چمک چمک کے پلٹ گئے
نہ لہو مرے ہی جگر میں تھا نہ تمہاری زلف سیاہ تھی

شمس الرحمان فاروقی کا یہ نایاب ناول اٹھارہویں صدی کے راجپوتانے سے شروع ہو کر دہلی کے لال قلعہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ جو تقریباً ایک صدی سے کچھ زائد عرصہ پر محیط ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہند کے اسلامی تمدن، انسانی تہذیب و ادبی معاشرہ، انگریزوں کی سیاسی چپقلش، اس دور کی بدلتی ہوئی زوال پذیر تہذیب اور تاریخی پیکر کو اس ناول کا موضوع بنایا ہے۔ فاروقی نے اس ناول میں مغلیہ سلطنت کا زوال، اردو فارسی شاعری کی صورت حال، زندگی کی جذباتی و روحانی تکمیل کی تلاش، قومی یکجہتی، عشق و محبت، فن کی تلاش، حالات کی تلخی اور بادشاہت کا خاتمہ وغیرہ کی زبردست عکاسی کی ہے نیز ہندوستانیوں کی بے بسی، انگریزوں کا ظلم و ستم، حکومت وقت کے خلاف بغاوتی تیور، اپنی انا کے مجروح ہونے کا احساس اور نو آبادیاتی نظام کے منفی اثرات پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔

ناول کی کہانی کشن گڑھ کے زمیندار مہاراول گجندر پتی سنگھ کی بیٹی من موہنی کی متنازعہ تصویر سے شروع ہوتی ہے۔ مرقع نگار مخصوص اللہ اس تنازع سے اپنے وطن کو خیر آباد کہہ کر کشمیر جا بسے اور وہیں پر ایک کشمیری خاتون سے شادی کر کے گزر بسر کرنے لگے۔ ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام یحییٰ بڈگامی رکھا۔ یحییٰ کے دو بیٹے داؤد اور یعقوب پیدا ہوئے۔ دونوں بیٹے فوجی تھے۔ مرہٹہ فوج اور انگریزوں کے مابین ہونے والی معرکہ آرائی میں شہید ہو گئے۔ اس شہادت سے قبل یعقوب کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا نام یوسف تھا۔ اس حالت یتیمی میں یوسف کا سہارا اکبر بائی نامی ایک طوائف بنی جو اسے اپنے ساتھ دہلی لے کر آئی اور اپنی بیٹی اصغری سے نکاح کر دیا۔ اس ازدواجی زندگی میں اللہ نے یوسف کو تین بیٹیوں سے نوازا۔ جن کا نام انوری خانم، عمدہ خانم اور وزیر خانم تھا۔ ''کئی چاند تھے سر آسماں'' کا مرکزی کردار وزیر خانم ہے جو حسن و ادا کی پیکر تھی۔ مزاجی نفاست، ناز و نخرا، ذوق و شوق اور حسن گفتار نے اس کی شخصیت کو اور پر کشش بنا دیا تھا۔ وزیر کی زندگی میں یکے بعد دیگرے پانچ مرد آئے۔ پہلا مرد مارسٹن بلیک تھا۔ وہ جے پور میں کپتان کے عہدے پر فائز تھا۔ محمد یوسف سے اس کے گہرے مراسم تھے جس سے گھر پر برابر آنا جانا رہتا تھا۔ یوسف سے گفت و شنید کے بعد وہ وزیر خانم کو جے پور لے کر چلا گیا۔ جہاں دو بچوں کی پیدائش کے بعد وزیر سے نکاح کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک حادثہ میں اس کا انتقال

ہوگیا۔ بلیک کی بہن نے دونوں بچوں کو اپنی کسٹڈی میں لے لیا۔ اب وزیر کی زندگی بڑے اہم اور نازک موڑ پر آ کر کھڑی ہو جاتی ہے، غم والم اور افسردگی کی چادر میں لپٹی وزیر خانم دہلی کا رخ کرتی ہے۔

دہلی آ کر ایک اور انگریز افسر ولیم فریزر سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ ایک ظالم اور عیاش قسم کا افسر تھا۔ اس کا کردار ناول میں ایک ویلن جیسا ہے، جس کا نواب شمس الدین سے جھگڑے کے بعد قتل ہو جاتا ہے۔ نواب صاحب وزیر خانم سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے حسن ادا پر اس قدر فدا تھے کہ پھانسی پر لٹکنا منظور کر لیا لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ یہ کردار ناول کی فضا میں موت کے بعد بھی اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ نواب شمس الدین کے انتقال کے بعد وزیر خانم رامپور چلی گئیں جہاں باقاعدہ پہلی بار نواب آغا تراب علی کے نکاح میں آئیں۔ لیکن جب بدقسمتی سایہ کی طرح پیچھا کر رہی ہو تو وہاں انسان بے بس اور لاچار نظر آتا ہے۔ نواب آغا تراب علی بھی ایک سفر کے دوران ٹھگوں کے ہاتھوں جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ نواب کے انتقال کے بعد وہ ایک بار پھر دہلی کا رخ کرتی ہیں اور یہاں پر اس بار ان کے حسن و ادا کے دیوانے مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو ہو جاتے ہیں۔ وزیر ان کے نکاح میں آ جاتی ہیں۔ لیکن قلعہ معلّی بھی راس نہ آیا۔ زینت محل نے اقتدار کے ہوس میں مرزا فخرو کو زہر دلوا دیا۔ ابھی وزیر کے بطن سے مرزا فخرو کا ایک بیٹا پیدا ہوا ہی تھا کہ زینت محل نے اس کی قلعہ بدری کا حکم صادر فرما دیا۔ وہ وزیر جو بڑے اعتماد سے مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی عادی تھی آج پالکی کے بھاری پردوں کے پیچھے چادر میں لپٹی، سر جھکائے بیٹھی، بے بسی میں مبتلا، قلعہ معلّی سے بھی رخصت ہو گئی۔

نواب شمس الدین کے انتقال کے بعد وزیر خانم کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا اس نے بعد میں داغ دہلوی کے نام سے شہرت پائی۔ داغ کے یہاں شعر و شاعری اور اشعار کہنے کا ذوق انھیں اپنی ماں سے وراثت میں ملا تھا۔ داغ کی رسائی قلعہ معلّی میں اس وقت ہی ہو گئی تھی جب وزیر خانم نے اپنی شادی بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے کر لی، یہاں پر داغ کو غالب اور ذوق کی شاگردی کا موقع نصیب ہوا۔ قلعہ معلّی کے مشاعروں اور ادبی نشستوں میں غالب اور ذوق کے علاوہ خود بہادر شاہ ظفر اور دیگر شعراء میں حکیم احسن اللہ خاں، گھنشیام لال عاصی، امام بخش صہبائی، ظہیر دہلوی، مرزا فخرو، نواب یوسف علی خاں جیسی شخصیتیں اپنا جلوہ بکھیرتی تھیں۔ اس طرح کے تمام کرداروں سے فاروقی نے اس ناول کو خوب سجایا ہے اور اس وقت کی ادبی سرگرمیوں کی تصویر کشی، فریزر کے مسکن پر غالب کی شاعری، دہلی کے

قہوہ خانوں میں شعر گوئی کی محفلیں، غالب وداغ کی ملاقاتوں کا ذکر اور داغ کی شعر خوانیاں اس زمانے کی ادبی زندگی کی بولتی ہوئی تصویریں ہیں جس کا مکمل ومؤثر اظہار اس ناول میں فاروقی نے کیا ہے۔

کردار نگاری کی اگر بات کی جائے تو شمس الرحمان فاروقی نے اس میدان میں بھی اپنا لوہا منوالیا ہے۔ ناول کے اندر کسی طرح کا کہیں پر بھی جھول نظر نہیں آتا۔ تمام کردار جامع، متحرک اور بہترین صفات سے مزین ہیں۔ کرداروں کو دلچسپ بنانے کے لئے گرما گرم اور پھڑکتے ہوئے فقرے اور محاوروں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ تمام کرداروں کو دلکش اور پر لطف بنائے رکھنے کے لئے مرقع نگاری کا بھی خوب سہارا لیا ہے۔ مرقع نگاری اس طور سے کی ہے کہ ناول کا خاص اور اہم حصہ نظر آتا ہے۔ منظر نگاری کا خوبصورت فن بھی فاروقی کے یہاں خوب ملتا ہے، دو حصوں کا بیان، قدیم خانقاہی نظام، موسیقی کے سات سر اور رنگوں کی تفصیل، دہلی کے گلی کوچوں کی چہل پہل، چائے خانوں کی رونق، نوابوں کی حویلیاں، امراء و روؤسا کے بلند وبالا محلّات، قلعہ معلّی کی فصیلیں اور اس کے اندرونی خدوخال، سیر وتفریح کے واقعات اور سفر کی دشواریوں کا بیان اور منظر نگاری اس طرح سے کی ہے کہ ساری چیزیں قاری کے سامنے متحرک نظر آتی ہیں۔

واقعات نگاری میں بھی فاروقی کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ناول کے سارے واقعات موتیوں کی طرح تخلیقی دھاگے میں پرو دیئے ہیں خصوصاً مخصوص اللہ آرٹسٹ سے لے کر وزیر خانم کے والد یوسف تک کے تمام واقعات میں ان کا تخلیقی فن پورے شباب پر ہے۔ جزئیات نگاری کا فن بھی آپ کے یہاں خوب پایا جاتا ہے۔ عمارتوں کی تعمیر وتزئین، نقش نگاری، زیبائش وآرائش، روشنی کا انتظام، شاہی سواریاں، لباس، آلات موسیقی اور خوردنی اشیاء کا بیان اس انداز سے کیا ہے کہ اس دور کی مکمل تصویر نظروں کے سامنے رقص کرنے لگتی ہے۔ ناول کا پلاٹ بالکل فطری انداز میں اور پوری طرح گٹھا ہوا ہے۔ تمام واقعات کا ایک دوسرے سے ایسا ربط ضبط ہے کہ کوئی بھی امر بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ ناول کو اتنے سیدھے سادھے پیرائے میں بیان کیا ہے جیسے فنکار نے اپنے فن کے جادو سے سب کچھ نکھار دیا ہو۔

کسی بھی ناول کی کامیابی کی ضمانت موضوع، کردار، پلاٹ، واقعات، جزئیات اور منظر نگاری پر ہی صرف منحصر نہیں ہوتی بلکہ حسن بیان اور طرز نگارش بھی شایان شان ہونا چاہئے۔ اس ناول میں زبان وبیان کا حسن، مکالمہ کی برجستگی، واقعات اور زبان کے ہم آہنگ ہونے کا گہرا احساس ہر صفحے پر نمایاں ہے۔ فاروقی نے زبان وبیان پر کافی توجہ صرف کی ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مستعمل زبان

کو ہی ناول میں جگہ دی ہے جو اس عہد میں رائج تھیں۔ انھوں نے خاص طور سے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ بیانیہ میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ آنے پائے جو اس دور میں مستعمل نہ تھا۔ عربی اور فارسی کے فقروں محاوروں کی کثرت اس ناول میں دکھائی دیتی ہے جو اس وقت دہلی ونواح دہلی میں مستعمل تھے۔ فارسی اشعار کا مکالموں میں برمحل استعمال بھی حسن بیان کو مزید دلکشی عطا کرتا ہے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے قاری ناول کے مطالعے کے وقت کچھ زیادہ ہی لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا تعلق اکیسویں صدی سے ہے۔

غرضیکہ ''کئی چاند تھے سرآسمان'' تاریخ، تہذیب وتمدن، شعروادب، معاشرت کے آداب، عام زندگی کی جزئیات کے سچے اور زندہ بیان کی وجہ سے اردو ادب میں صرف اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام بنانے میں ہی کامیاب نہیں ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک صدی سے کچھ زیادہ کی تہذیبی دستاویز بھی ہے۔

●●

بقیہ: علماء کا مطلوبہ رول

ایک پرانی کہاوت ہے کہ سچ کڑوا ہوتا ہے، لیکن بعض اصحاب سمجھتے ہیں کہ سچ میں کچھ جھوٹ کی آمیزش ہوجائے گی اگر اسے کڑوے پن سے نہ کہا جائے۔ جرأت گفتار کے تعلق سے ہمارے ورثے میں روایات بھی کچھ ایسی ہی آئی ہیں کہ سچ وہی ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے۔ بلاشبہ اگر صورتحال ایسی ہو کہ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو تو سچ سینہ تان کر ہی کہنا چاہئے۔ لیکن ہوشمندی سے کام لیا جائے تو افہام وتفہیم کی صورت بالعموم نکل آتی ہے۔ ہر عہد میں اس کی گنجائش رہی ہے اور ہمارے زمانے میں بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک فرد کے مقابلے میں بادشاہ یا ریاست کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور امکان غالب یہی ہوتا ہے کہ شخصی آزادیاں اور مراعات سلب ہوجائیں۔ ایسی صورت میں علماء کے لیے عامۃ الناس کے حقوق کی حفاظت و پاسداری ازحد ضروری ہوجاتی ہے۔

ہمارا عہد گلوبلائزیشن کا عہد ہے۔ یہ ایک عالمی رجحان ہے جو علمی و تعلیمی بھی ہے اور ثقافتی بھی، یہ معاشی بھی ہے اور سیاسی بھی ہے۔ اس کے مضمرات بڑے دوررس نتائج کے حامل ہیں۔ خاص طور سے معاشی وثقافتی گلوبلائزیشن ایک دودھاری تلوار کی طرح ہے۔ اس گلوبلائزیشن میں ہمارے لیے مواقع بھی ہیں اور چیلنجز بھی۔ اس گلوبلائزیشن کو سمجھے بغیر ہم اپنی موجودہ دنیا کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی وہ رول ادا کرسکتے ہیں جس کی ورثۃ الانبیاء علماء یعنی دانشورانِ کرام سے امید کی جاتی ہے۔ ●●

حمد باری تعالیٰ

تیرا پیکر سرِ منظر ہے نہ صورت تیری
پھر بھی ہر شے سے ہویدا ہے حقیقت تیری
یہ نبوت، یہ رسالت تو ہے رحمت تیری
ورنہ دیتی ہے ہر اک چیز شہادت تیری
جس میں شرکت ہو، وہ توحید کہاں ہوتی ہے
جس کو شرکت سے ہے نفرت، وہ ہے غیرت تیری
تیرا انکار اندھیروں کو جنم دیتا ہے
تیرے اثبات سے روشن ہے حکومت تیری
فلسفے نقش ہیں پھولوں کے سبک پتوں پر
ثبت ہے برگ گل ولالہ پہ عظمت تیری
تیرے ہونے کی خبر جب بھی سحر دیتی ہے
ہر شجر جھوم کے کرتا ہے عبادت تیری
فلسفی بیٹھ گئے عقل پہ تکیہ کرکے
تیرے اسرار سمجھ پائے نہ حکمت تیری
تُو تو دیتا ہے انہیں بھی جو ہیں باغی تیرے
''منبع جود وسخا، عام ہے رحمت تیری''
جس کو سائنس کہا کرتی ہے نیچر راشدؔ
میرا ایماں اسے کہتا ہے مشیّت تیری

سید راشد حامدی فلاحی،
شاہین باغ۔نئی دہلی،موبائیل:9811126467

انسانیت کا پاٹھ پڑھاتے ہیں مدرسے

انسانیت کا پاٹھ پڑھاتے ہیں مدرسے
امن واماں کی راہ دکھاتے ہیں مدرسے

اُدّیش زندگی کا بتاتے ہیں مدرسے
بھٹکے ہووں کو راہ دکھاتے ہیں مدرسے

اس سرزمیں پہ کوئی بھی جاہل نہیں رہے
علم وعمل کی شمع جلاتے ہیں مدرسے

غربت میں بھی زبان پہ شکوہ نہیں کوئی
صبر وسکوں کی چاہ جگاتے ہیں مدرسے

عربی زبان واردو وہندی کے ساتھ ساتھ
قرآں، حدیث، فقہ پڑھاتے ہیں مدرسے

ہو پندرہ اگست یا چھبیس جنوری
سالوں سے ان کا جشن مناتے ہیں مدرسے

اپنے وطن سے پیار ہو، اہل وطن سے بھی
یہ بھاؤنا سبھی میں جگاتے ہیں مدرسے

نفرت کی آگ پھیل نہ جائے چہار سو
سوئے ہوئے ضمیر جگاتے ہیں مدرسے

سایے میں جس کے بیٹھ کے سب کو سکوں ملے
الفت کے ایسے پیڑ لگاتے ہیں مدرسے

دیتے ہیں سب کو درس مساوات کا نعیم
دنیا سے بھید بھاؤ مٹاتے ہیں مدرسے

نعیم احمد غازی فلاحی، نئی دہلی
موبائیل نمبر:09810156757

غزل

یہ کس مقام پہ لایا گیا خدایا مجھے
کہ آج روند کے گزرا ہے میرا سایہ مجھے

میں جیسے وقت کے ہاتھوں میں اک خزانہ تھا
کسی نے کھودیا مجھ کو کسی نے پایا مجھے

میں ایک لمحہ تھا اور نیند کے حصار میں تھا
پھر ایک روز کسی خواب نے جگایا مجھے

اِسی زمیں نے ستارہ کیا ہے میرا وجود
سمجھ رہے ہیں زمیں والے کیوں پرایا مجھے

جہاں کہ صدیوں کی خاموشیاں سلگتی ہیں
کسی خیال کی وحشت نے گنگنایا مجھے

نہ جانے کون ہوں، کس لمحۂ طلب میں ہوں
نبیلؔ چین سے جینا کبھی نہ آیا مجھے

عزیز نبیل،قطر

غزل

بستیاں ہوگئیں ویران کہاں جائیں گے
سب لیے بیٹھے ہیں طوفان کہاں جائیں گے

شاخِ گل جس پہ نشیمن تھا وہی ٹوٹ گئی
ہوگئے بے سروسامان کہاں جائیں گے

اے غمِ دل، ہے کیوں آمادہ، جدا کرنے پر
اشک ہیں آنکھ کے مہمان کہاں جائیں گے

سوچیے جانے سے پہلے کہ اگر ختم ہوا
لوٹ کر آنے کا امکان کہاں جائیں گے

دوڑتی بھاگتی سڑکوں کا ہے یہ شہر، یہاں
ہے کوئی جان نہ پہچان کہاں جائیں گے

عالمِ تشنہ لبی قید میں دریائے فرات
اور لہو مانگتا میدان کہاں جائیں گے

ہے کھنڈر عظمتِ رفتہ کا یہ دنیا اشہرؔ
اب تو رہتے نہیں انسان کہاں جائیں گے

نوشاد اشہر، بلریا گنج،اعظم گڑھ

غزل

زمین سرخی زماں سرخی مکیں سرخی مکاں سرخی
بایں انداز اُگلے جارہی ہے 'کن فکاں' سرخی

جبیں ٹکرائی ہے سورج نے شب کے آستانے سے
شفق صورت جو چھٹکی ہے کنار آسماں سرخی

برس جاتا ہے ساون جب کبھی کشت دل وجاں پر
درون چشم اگ آتے ہیں ویرانی دھواں سرخی

بیاں کرتا ہے قصہ اور ہی منظر وقوعہ کا
مگر اخبار والوں نے لگائی ہے کہاں سرخی

گلابی تو برائے دیگراں چھلکی تھی محفل میں
ابھر آئی تھی ہونٹوں پر ہمارے ناگہاں سرخی

سفیدی ہی سفیدی رقص کرتی ہے رگوں میں اب
گئے وہ دن کہ شریانوں میں ہوتی تھی رواں سرخی

کئی صدیوں سے ہوں بے سمت راہوں کا مسافر میں
مرے قدموں تلے ہوتی رہی ہے رائیگاں سرخی

مسلسل ہی غموں نے دل کے دروازے پہ دستک دی
مسلسل ہی مری آنکھوں میں تھی نوحہ کناں سرخی

ہماری زندگی گویا کہ ہے اک دائرہ صارمؔ
یدقدرت نے رکھ چھوڑی ہے جس کے درمیاں سرخی

ارشد جمال صارمؔ، مالیگاؤں

غزل

صد شکر وہ جفاؤں کے سانچے میں ڈھل گئے
ہم محوِ خواب ہونے سے پہلے سنبھل گئے

جن کی وفا پہ مجھ کو بہت ناز تھا کبھی
آیا جو وقت وہ بھی نگاہیں بدل گئے

وحشت شبِ فراق سے ہوتی بھی کیا ہمیں
داغِ جگر چراغوں کی مانند جل گئے

پیکر تراشوں کیسے کہ اب نالہ ہائے دِل
لفظوں کے اختیار سے باہر نکل گئے

تھا چاہیے تو یہ کہ بدلتے مزاجِ وقت
یہ کیا کہ ہم بھی وقت کے سانچے میں ڈھل گئے

خبیب کاظمی، قطر

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: خواتین کے فقہی مسائل

مصنف: شیخ صالح بن فوزان الفوزان

ترجمہ وتلخیص: ساجدہ ابواللیث فلاحی

صفحات: ۸۸، **قیمت**: ۵۰/روپے

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی

مبصر: محمد صادق ظلی

شیخ صالح فوزان عالم عرب کے جید عالم دین، فقیہ، مفتی اور ممتاز محقق ومصنف ہیں۔ موضوع کا تنوع، فکر کی گہرائی، قلم کی شائستگی اور طرز استدلال کی ندرت آپ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لیے عام فہم انداز میں ترتیب دی گئی آپ کی متعدد تصانیف کو عالم عرب ہی نہیں عالم اسلام کے متعدد علمی حلقوں میں قبولیت کی سند حاصل ہے۔ علم وتحقیق کی دنیا کی عظیم شخصیت شیخ صالح فوزان ۵۸/ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی ایک مشہور تصنیف 'تنبیھات علی احکام تختص بالمومنات' ہے، جسے انہوں نے مسلم خواتین کو عبادت ومعاشرت سے متعلق مسائل میں رہنمائی فراہم کرنے کی غرض سے تصنیف کیا تھا۔ ''خواتین کے فقہی مسائل'' اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ کی خدمت محترمہ ساجدہ فلاحی صاحبہ نے انجام دی ہے۔ ترجمہ سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ اس میں لفظی ترجمہ سے ہٹ کر سادہ اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کہیں کہیں طوالت سے بچنے کے لیے تلخیص سے بھی کام لیا ہے اور پوری عبارت کا مفہوم اختصار سے بیان کردیا ہے۔

زیرنظر کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، اور ہر ابواب کی تشریح وتوضیح متعدد ذیلی عناوین کے ذریعے کی گئی ہے۔ پہلا باب دوسرے مذاہب کے بالمقابل اسلام میں خواتین کی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے، جبکہ دیگر ابواب میں لباس وحجاب، زیب وزینت، صوم وصلوۃ، حیض ونفاس، اورعزت وناموس

وغیرہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔خواتین کے فقہی مسائل پر اردو زبان میں یہ ایک مفید اضافہ شمار کی جائے گی۔

مصنف موصوف نے تحقیق اور موضوع کا حق ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے، مگر کچھ چیزیں ہنوز تشنہ ہیں۔مصنف نے باب اول میں ایک ذیلی عنوان قائم کیا ہے ''خارجی امور میں خواتین کے لیے اسلام کی ہدایات'' اس ضمن میں انہوں نے تین چار ہدایات کا تذکرہ کیا ہے، مجھے لگتا ہے کہ ان کو بیان کرنے میں موصوف نے کسی قدر غلو سے کام لیا ہے۔اس سلسلے میں لگتا ہے کہ ہر کوئی افراط وتفریط کا شکار ہے۔

اسی طرح باب پنجم میں نماز سے متعلق احکام میں ایک ذیلی عنوان ''عورت کے ذریعہ خواتین کی امامت'' کا بھی ہے۔مصنف موصوف کو جہاں اس عنوان پر مزید تفصیل سے لکھنا چاہیے تھا، وہیں عورت کے ذریعہ مرد کی امامت پر بھی ایک مختصر عنوان قائم کرنا چاہیے تھا۔

یہ کتاب مفید اور معلوماتی ہے۔پروف ریڈنگ کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔صفحات کے لحاظ سے کتاب کی قیمت کچھ زیادہ ہے۔امید کہ کتاب عام مسلم خواتین کے لیے بہت ہی مفید ہوگی اور وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گی۔

مجموعہ شعر: محبتوں کے چراغ

شاعر: ریاض قاصد

صفحات:۱۳۶، **قیمت**:۱۵۰/روپے

اشاعت:۲۰۱۴ء

ناشر: مکتبہ الفاروق، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

مبصر: سعید اختر اعظمی

فکری صلابت کے لیے دقیق الفاظ اور تشبیہات واستعاروں کے انبوہ گراں بار لگانا لازمی نہیں، سادہ وسہل انداز میں بھی احوال واقعی کا بیان ہوسکتا ہے۔تجربوں کی وسعت، مشاہدے کی گہرائی اور مطالعہ کی کثرت ہوتو دوران سخن لفظ از خود دست بستہ حضوری کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ریاض قاصد کی شاعری سلاست بیان کی آئینہ دار ہے، جس میں احساس کی بیداری اور جذبوں کی تپش نمایاں ہے۔

انھوں نے روایتی موضوعات اور رنگ وآہنگ کو جزوِسخن بناتے ہوئے انفرادیت تک رسائی کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

''محبتوں کے چراغ'' ریاض قاصد کی دو دہائیوں پہ مشتمل شاعری کا اولین انتخابیہ ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اپنے وطن بسالت پورہ سے لے کر مادرعلمی جامعۃ الفلاح کے طویل شعری سفر میں انھیں اپنی تخلیقات رسائل وجرائد کو بھیجنے اور مشاعروں کے اسٹیج پر آ کر خود کو متعارف کرانے کا خیال ہی نہیں آیا۔ محدود حلقہ احباب تک اپنی بات پہنچا کر حالِ دل سنالیا اور پھر نئی زمین میں غزل کے نئے آسمان سے رشتے استوار کرنے کی تگ ودو شروع کر دی۔ اصلاحِ سخن کے لیے تابش مہدی اور منور شفیقی کراکتی کی صحبتیں راس آئیں تو افکار کے زاویوں میں تنوع آتا گیا۔ سہل ممتنع کی یہ شاعری اپنے اندر جہانِ معانی آباد رکھتی ہے۔ یہ اشعار دیکھیے ؎

بھری دنیا میں ہوتا ہے اب احساس تنہائی
جدا ہوکر مجھے کتنا اکیلا کر دیا اس نے

تمہارے شہر کی دلکش ہیں رونقیں، لیکن
حسین گاؤں کی آب وہوا لگے ہے مجھے

مسائل ہیں تو کیا غم، زندگی سے
کبھی اظہار بیزاری نہ کرنا

اگر خلوص ہے جذبے میں دل نہ چھوٹا کر
ضرور آئے گا وہ شخص، راہ دیکھا کر

جانے کیوں انھوں نے حمد ونعت اور مناجات میں طبع آزمائی نہیں کی، مگر ایسے اشعار جو خال خال پائے جاتے ہیں اس کمی کا تھوڑا بہت ازالہ کر دیتے ہیں ؎

نہ دیں گی راہ کبھی ظلمتوں کی دیواریں
جو نور غار حرا ہم سفر نہیں ہوگا

کیسہ میں میرے مال نہ دولت ہے آج بھی
لیکن درحبیب سے نسبت ہے آج

مرا مکان ہے بے در تو اس کو در کردے
نہیں تو پھر مری حاجت کو مختصر کردے
حصارِ غم سے نکلنے نہ دے ابھی مجھ کو
تو میری ذات کو کچھ اور معتبر کردے

ہجر و وصل کے جاں سوز و خوش آئند لمحات کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں ؎

چلے آؤ بڑا احسان ہوگا
تمہیں دیکھے زمانہ ہوگیا ہے

وصل کے لمحۂ رنگیں پہ ہنسی آئے گی
ہجر کی آگ میں دو روز تو جل کر دیکھو

وہی لمحے جو بے حد جاں گسل تھے
تم آئے تو سہانے ہوگئے ہیں
ان کے بغیر یوں تو بہت مطمئن ہوں میں
یہ بھی ہے سچ کہ ان کی ضرورت ہے آج بھی

سادگی و پرکاری سے بھرپور یہ اشعار بھی اپنی جانب توجہ مبذول کرالیتے ہیں ؎

آنے والا ہے انقلاب کوئی
لوگ مصروف ہیں دعاؤں میں

میں آنسوؤں کی تجارت تمام عمر کروں
مگر ہے شرط وہ ہنستا رہے رلا کے مجھے

حیات تیری ہے اور تیرے کام آجائے
تیری ڈگر پہ چلا ہوں یہ فیصلہ کرکے

انانیت کا مجھ میں شائبہ تک بھی نہ تھا قاصد
ستم ڈھاڈھاکے مجھ پر، مجھ کوخودسر کردیا اس نے

راہ کے پیچ وخم پہ بھی رکھیے نظر
ساتھ جانے کہاں رہ نما چھوڑ دے

وجود کے ٹوٹنے بکھرنے اور سرِتسلیم خم کرنے کا عمل بالعموم شکست وریخت کا سبب بنتا ہے لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے ؎

زیادہ حد سے ترے آگے کیسے جھک جاتا
وقار اپنا بھی اے دوست دیکھنا تھا مجھے
ہزار شکر میں ٹوٹا ہوں ان کے ہاتھوں سے
میں آئینہ تھا میاں! یوں بھی ٹوٹنا تھا مجھے

گلہ کرتے پھریں جو روجفا کا
ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں
پڑے گا وقت تو آواز دینا
کہ ہم ٹوٹے تو ہیں، بکھرے نہیں ہیں

میرے استاذ تابش مہدی اور ہمدم دیرینہ عمیر منظر کی گراں قدر آراء اور ریاض قاصد کا احوال سخنوری حروف سے لفظ کے ارتباط کے سفر کی روداد ہے جو زبان حال سے اس عجز وتمکنت کا اظہار کر رہا ہے ؎

کہیں کر نہ ڈالے غارت یہ غرور پارسائی
ارے ناقدانِ ہستی مجھے آئینہ دکھا دو

آپ کے خطوط

الحمدللہ گزشتہ شمارے سے متعلق قارئین کے تأثرات کافی بڑی تعداد میں موصول ہوئے، البتہ صفحات کی قلت کے سبب جملہ تأثرات کو شامل اشاعت کرنا ممکن نہ تھا، چنانچہ یہاں معذرت کے ساتھ محض چند خطوط کی اشاعت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ **مدیر)**

اخلاق احمد کریمی قاسمی ندوی، استاذ جامعۃ الفلاح

عزیز گرامی قدر، جامعۃ الفلاح کے لائق فرزند اور باکمال سپوت! میں ''حیات نو'' کے تعلق سے کیا لکھوں، بس منطق کا ایک ضابطہ یاد آرہا ہے، ''حقائق الیوم أحلام الأمس''، آج جو چیزیں (حیات نو کے مضامین و مشمولات کی صورت میں) حقیقت بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں، کل صرف ان کا خواب دیکھا گیا تھا۔ کل یہ چیزیں صرف تصور اور خیال کی صورت میں ہمارے ذہنوں میں موجود تھیں، کل ان کا منصوبہ اور خاکہ تیار کیا گیا تھا اور آج وہ حقیقت اور مشاہدہ بن کر ہمارے سامنے ہیں۔ کہیں دور دور تک اس کے آثار نظر نہیں آرہے تھے کہ ''حیات نو'' بھی ہزاروں مجلّات ورسائل میں اپنی ایک ممتاز شناخت اور اپنا ایک خاص مقام بنا سکے گا۔

الحمدللہ آج ''حیات نو'' نے اپنے اندر نئی روح، نئی زندگی، اور تازگی پیدا کر لی ہے جس میں ہر قسم کے پھول کھلنے اور نوع بنوع کے پھل لگنے لگے ہیں۔ سچ ہے نئی دنیا، نئے افکار سے جنم لیتی ہے، پہلے عظیم کارناموں کا خیال پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد عظیم کارنامے انجام دیئے جاتے ہیں ؎

جہانِ تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

لائبریریوں میں ہزاروں مجلّات اور رسالے آتے ہیں، لیکن بیشتر مدیر حضرات کی تحریروں سے جو بات عیاں ہوتی ہے وہ یہ کہ نہ طلب صادق ہے، نہ قلب راسخ، نہ استقلال ہے، نہ صدق، نہ اخلاص ہے نہ یہ خبر ہے کہ کہاں جاتے ہیں، اور نہ یہ معلوم کہ کیوں جاتے ہیں۔ بس مجلّات ورسائل نکالنے کی ایک ہوڑ

مچی ہے، اس دوڑ میں وہ بھی شریک ہوجاتے ہیں ؎

نہیں معلوم منزل، کس طرف، کس سمت جاتے ہیں
پڑا ہے قافلے میں شور ہم بھی غُل مچاتے ہیں

ادارت کے لیے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، اسی چیز کا سب سے زیادہ قحط ہے، جس چیز کی کثرت درکار ہے، وہی چیز نایاب ہے۔ ادارت کے لیے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضرورت ہے ولولوں کی، امنگوں کی، ہمتوں میں بلندیاں ہوں، حوصلوں میں جوش وخروش ہو، طبیعتوں میں جولانیاں ہوں، عزائم میں رفعتیں ہوں، ارادوں میں استواری ہو، عقیدے سے وفاداری ہو۔

اے کاش! مجلّات اور رسائل کے مدیروں کے حوصلوں میں بالیدگی پیدا ہو، زہے نصیب کہ ان کی ہمتوں کے دریا میں موجیں اٹھیں، خدا ہمیں وہ دن دکھائے کہ مجلّات ورسائل کے نکالنے والے عالی ہمتی کا اس طرح استقبال کریں جس طرح مولانا ابوالاعلی مودودیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، سرسید احمد خانؒ، عامر عثمانیؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، اور مولانا مجیب اللہ ندویؒ وغیرہم نے کیا تھا۔

الحمدللہ حیات نو کے مدیر سے مل کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اکابرین کی طرح تازہ دم رہتے ہیں، نہ انہیں راستے کی تکان ہوتی ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پروا، نہ رکاوٹوں کا اندیشہ، نہ دوریٔ منزل سے ہراس ؎

وصف باکمالوں کا کب چھپا چھپانے سے
فن اگر مکمل ہے بولتی ہیں تصویریں

ذیل میں چند مشورے پیش ہیں:

(۱) سرورق، ٹائٹل ایک رکھیے تاکہ دور ہی سے معلوم ہوجائے کہ ''حیات نو'' ہے۔

(۲) بہتر ہوگا کہ ''ہمارے زمانے کا جامعہ'' کے بجائے ''فارغین جامعہ'' کا کالم بڑھا دیا جائے کیونکہ ''پدرم سلطان بود'' کے بجائے اس بات کا قائل ہوں کہ لوگ کہیں ''پسرم سلطان است''۔

(۳) خصوصی کالم بہت ہی مفید ہے اس کو جاری رکھیے۔

(۴) قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، اور تاریخ کے لیے بھی ممکن ہو تو کم از کم دو دو صفحات خاص کرلیں۔ باقی تمام مشمولات ومضامین اور کالم بہتر اور مفید ہیں۔

اب آپ سے ذیل کی نصیحت کے ساتھ رخصت ہوا چاہتا ہوں ؎

اذا غامرت فی شرف مروم
فلا تقنع بما دون النجوم

جب عزت مطلوبہ اور شرف مقصود میں مقابلہ کیجیے تو ستاروں سے کم پر راضی مت ہویئے، جیسا کہ

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

میرے والد ماجد ماسٹر محمد عتیق الرحمٰنؒ کہتے تھے ؎

مسرت کی تمنا ہے تو غم کی انتہا کردو
کہ تارے ڈوب کر کرتے ہیں انوار سحر پیدا

نیاز احمد فلاحی، قطر

امید کہ بخیر ہوں گے۔ حیات نو کی اشاعت میں تسلسل، معیار میں محسوس اضافہ اور مضامین میں تنوع دیکھ کر انتہائی مسرت ہوتی ہے۔ اب تو اس کا انتظار رہنے لگا ہے۔ یوں تو اس کے سبھی مضامین اہم اور مفید ہوتے ہیں لیکن محترم نسیم احمد غازی صاحب کا دعوتی مضمون اور مجلّہ کے مستقل کالمس (ہمارے زمانے کا جامعہ)، ڈاکٹر محی الدین غازی کا سلسلہ وار مضمون (اردو تراجم قرآن پر ایک نظر)، خصوصی کالم (فکر وآگہی) اور فلاحی برادران کی عمدہ تخلیقات پر مشتمل ادبی گوشہ کافی وقیع اور اہم ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ تازہ شمارے میں مزید کئی دیگر اہم مضامین یا ابا اللیث، پھر چھیڑا روایات نے اپنا قصہ، حاجی عبدالرزاق اسماعیل کالسیکر بھی ہیں۔ بے شک حیات نو کو اس بلندی تک پہونچانے میں آپ کی عرق ریزی اور جانفشانی کا اہم رول ہے۔ آپ کو ڈھیر ساری مبارکباد۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے اور مزید ثمر آور بنائے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا سرکولیشن بڑھے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوں۔

محمد اکمل فلاحی، استاذ جامعۃ الفلاح

''حیات نو'' جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں ناجائز نوبل امن پرائز اور اس کی فہرست میں شامل کیے جانے کے لیے پیش کردہ عبدالغرب وعبد حکام العرب سیسی پر ابوالاعلی سید سبحانی کا تنقیدی وتجزیاتی اداریہ کافی پسند آیا۔

''حیات نو'' کے علمی، فکری، تربیتی، قرآنی، دعوتی، اور تاریخی مواد دلوں میں نئی روح پھونکنے کا کام کررہے ہیں۔

امید ہے کہ مستقبل میں اس سے بھی زیادہ قیمتی اور معلومات افزا مضامین قارئین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے، جن سے فکر وآگہی اور علم وتحقیق کی مزید نئی راہیں کھلیں گی۔

مرے خدا، حیات نو، رہے سدا
یہی دعا، یہی ندا، یہی صدا

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبہ اعلی، جامعۃ الفلاح

جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب

۱۶/اگست ۲۰۱۵ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کے نئے ذمہ داران کا انتخاب مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ فضیلت دوسال ہونے کی وجہ سے اس بار عربی ہفتم کے بجائے عربی ششم کے طلبہ کو جمعیۃ کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، منتخب ذمہ داران کی فہرست درج ذیل ہے:

نام	سکونت	ذمہ داری
شاہ زیب	مہاراشٹر	سکریٹری
محمد شاداب	سوائے مادھوپور (راجستھان)	لائبریرین
محمد عثمان	نوئیڈا (یوپی)	معتمد رسائل وجرائد
نثار احمد حنفی	چمپارن (بہار)	معتمد خطابت
محمد ساجد انصاری	نیپال	معتمد تحریر
شمشیر عالم	نیپال	معتمد کھیل
محمد شاہد	نیپال	معتمد صفائی وباغبانی

جمعیۃ الطلبہ کے تحت تقسیم انعامات کی تقریب

۲۷/اگست ۲۰۱۵ء بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی، تلاوت کلام پاک اور ترانہ جامعہ کے بعد جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے جمعیۃ

الطلبہ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور ان کی اہمیت وافادیت پر گفتگو کی۔ اس کے بعد سابق ذمہ داران جمعیۃ نے اپنی سالانہ کارکردگی رپورٹ پیش کی، اور نئے ذمہ داران کا استقبال کیا۔ نئے ذمہ داران نے اپنے اپنے عزائم بیان کیے۔ اس مناسبت سے جمعیۃ کی جانب سے گزشتہ سال ہونے والے تقریری وتحریری مقابلوں میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔

شیخ الجامعہ کا طلبہ جامعہ سے خطاب

۱۴/ستمبر ۲۰۱۵ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں شیخ الجامعہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کی تذکیر ہوئی۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، اس کو نیک عمل پر ابھارے، اور یہی انبیائی مشن ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔ احادیث قرآن مجید کی شرح ہیں، گویا قرآن وسنت کی دعوت پھیلانے والا ہی بہترین انسان ہے۔ اس لیے ہم اپنے علم میں گہرائی پیدا کریں اور ذمہ داریوں کو محسوس کریں، اور دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن جائیں۔

مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی کی جامعہ آمد

۱۳/ستمبر ۲۰۱۵ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی کی آمد پر ایک پروگرام کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس موقع پر مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب ناظم علاقہ گورکھپور نے افتتاحی گفتگو پیش کرتے ہوئے موصوف کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد موصوف نے طلبہ واساتذہ سے خطاب کیا، موصوف نے فرمایا کہ ہم تحریک اسلامی سے جڑیں، ٹھوس اور مضبوط مطالعہ کریں، اور اچھے اخلاق وکردار کے حامل بنیں، تاکہ معاشرے میں اثر انداز ہوسکیں۔ موصوف نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم ہم اس لیے حاصل کریں تاکہ ہم صحیح انسان بن جائیں اور اللہ سے تعلق مضبوط کریں۔

جنرل سکریٹری ایس آئی او آف انڈیا کا طلبہ جامعہ سے خطاب

۲۷/اگست ۲۰۱۵ء بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے خصوصی مہمان جناب الف شکور صاحب (جنرل سکریٹری ایس آئی او آف انڈیا) تھے۔ جناب محمد اکمل فلاحی صاحب نے آپ کا تعارف کرایا۔ مہمان خصوصی نے اپنی گفتگو میں علم کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالتے

ہوئے فرمایا کہ ہمیں فکری وعملی دونوں میدانوں میں کام کرنا ہے۔ نئے درپیش مسائل کے سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر پیش کرنا ہے، اس کے لیے ہمیں بہت سخت محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی صورت میں ہم صحیح طور سے عملی دنیا میں اسلام کی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

نوجوان پائلٹ بلال صدر عالم کا جامعہ میں لکچر

۲۰؍اگست بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں جناب بلال صدر عالم صاحب (نوجوان پائلٹ) نے ''فضائی پروازیں، قدرت کے کرشمے'' کے عنوان سے ایک لکچر پیش کیا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ آج ہم جو گاڑی، انجن اور جہاز دیکھتے ہیں، انہیں انسان اور پرندوں کو دیکھ کر بنایا گیا ہے۔ انسان سانس اندر باہر کرتا ہے اس کو دیکھ کر گاڑی، انجن اور جہاز بنائے گئے۔ پھر آپ نے جہاز کی تاریخ، اور زمین اور اس کے اوپر فضا تک آب وہوا کے فرق کو تفصیل سے بیان کیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ پائلٹ بننا بہت آسان ہے، اور یہ بہت اچھی خدمت بھی ہے۔ اس کے بعد آپ نے طلبہ واساتذہ کی جانب سے کیے جانے والے متعدد سوالات کے جواب دیے۔

جامعہ کے دو بزرگ اساتذہ کلیۃ البنات میں منتقل

اس سال جامعہ کے دو بزرگ اساتذہ جناب مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب (سابق مہتمم تعلیم وتربیت جامعۃ الفلاح) اور جناب مولانا محمد عمران فلاحی صاحب (سابق صدر شعبہ اعلی) کو کلیۃ البنات کی ضروریات کے پیش نظر وہاں منتقل کردیا گیا ہے، یہ اساتذہ اب وہاں تدریسی خدمات انجام دیں گے۔ اسی طرح جامعہ کے ایک اور بزرگ استاذ مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب بھی جامعہ سے فارغ ہوگئے ہیں، موصوف اس وقت ناظم علاقہ جماعت اسلامی گورکھپور کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی کی کتاب کا اجراء

۲۱؍ستمبر بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (صدر شعبہ اعلی) کی تازہ کتاب 'المنہج القویم لتدریس القرآن الکریم' کا اجراء ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے کیا۔ آپ نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی، مصنف کی محنت کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب قرآن کریم کی تدریس سے وابستہ لوگوں کے لیے ایک رہنما کتاب ہے۔

جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی کی کتابوں کا اجراء

۱۵؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عصر جامعہ کی مسجد میں ایک مختصر پروگرام میں جامعہ کے استاذ جناب ذکی الرحمٰن غازی فلاحی کی تین تازہ کتابوں کا اجراء ہوا، کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

(۱) لغت نویسی کا ارتقاء، تعارف، تاریخ، تجزیہ، (۲) تعارف اور ملاقات کے اسلامی آداب، (۳) راستے کے حقوق اور سفر کے آداب۔ ان کتابوں کا اجراء بالترتیب ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب، مہتمم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب، اور نائب ناظم جامعہ جناب مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے فرمایا۔ اس پروگرام میں جامعہ کے طلبہ واساتذہ شریک ہوئے۔

مولانا عبیداللہ طاہر فلاحی کے کتابچہ کا اجراء

۱۹؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے جناب مولانا عبیداللہ طاہر فلاحی کی تازہ تصنیفی کاوش 'عیدالاضحیٰ اور قربانی: احکام ومسائل' کا اجراء کیا۔ آپ نے اس کتابچہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مختصر ہونے کے باوجود یہ کافی مفید ہے۔

جامعہ میں تعطیل عیدالاضحیٰ

جامعہ کے تعلیمی کلینڈر کے اعلان کے مطابق عیدالاضحیٰ کی تعطیل ۲۳؍ستمبر بروز پنجشنبہ ہوئی اور ۲۸؍ستمبر بروز سہ شنبہ تک جاری رہی۔ تعطیل مختصر ہونے کی وجہ سے قرب وجوار کے طلبہ ہی اپنے گھروں کو روانہ ہوسکے۔

انجمن طلبہ قدیم کی جامعہ میں میٹنگ

۱۴؍ستمبر بروز دوشنبہ بعد نماز ظہر مرکزی لائبریری ہال میں انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے ایک میٹنگ ماہ اکتوبر کے اواخر میں ہونے والے تین سالہ اجلاس عام کے سلسلے میں منعقد کی گئی۔ اس میٹنگ میں ذمہ داران انجمن وذمہ داران اجلاس کے علاوہ اساتذہ جامعہ اور بلریا گنج کے فارغین نے شرکت کی، اس نشست میں اجلاس کی اب تک کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا، مختلف انتظامی امور زیر بحث آئے، اور اجلاس عام سے متعلق مختلف شعبہ جات کی تفصیلات پر گفتگو ہوئی۔

حیات نو کے تعلق سے چند باتیں

حیات نو انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان ہے، اس کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد سے حیات نو مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اب 'جریدہ حیات نو' کے نام سے نومبر ۲۰۱۵ء سے ماہنامہ کے طور پر شائع ہونے جارہا ہے۔

اجلاس عام انجمن طلبہ قدیم کی مناسبت سے یہ فیصلہ لیا گیا تھا کہ اس کی اب تک کی تمام فائلوں کا ریکارڈ جمع کیا جائے، اور ان کو اسکین کرا کر انجمن کی ویب سائٹ پر انہیں اپ لوڈ کردیا جائے، تاکہ حیات نو کی اب تک کی تمام فائلیں محفوظ بھی ہوجائیں اور ملک وبیرون ملک میں مقیم اردو داں حلقہ ان سے بآسانی مستفید بھی ہوسکے۔

یہ کام مدیر حیات نو ابوالاعلی سید سبحانی کی نگرانی ورہنمائی میں دو فلاحی برادران کے ذمہ کیا گیا تھا، اسکین کرنے کا کام برادر عامر جمال فلاحی کے ذمہ، اور ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرنے کا کام برادر ملک ارشد فلاحی کے ذمہ کیا گیا۔

کافی کوششوں کے بعد حیات نو کی جملہ فائلیں جمع کی گئیں اور ان کی اسکیننگ کا کام شروع کرایا گیا۔ الحمدللہ اسکیننگ کا کام مکمل ہوگیا، اور ابوالاعلی سید سبحانی نے اس پر نظر ثانی بھی کرلی ہے۔

اس بات کے شدید احساس کے باوجود کہ اسکیننگ کا کام بہت معیاری نہیں ہوسکا ہے، اجلاس کے تناظر میں اس کو اسی شکل میں ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرانے کا کام جاری ہے۔

اس موقع سے ضروری ہے کہ حیات نو سے متعلق کچھ ضروری تفصیلات یہاں شائع کردی جائیں:

حیات نو کے وہ شمارے جو شائع نہیں ہوسکے:

حیات نو ماہ جنوری ۱۹۷۸ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ وقت، حالات، وسائل اور سہولیات کے اعتبار سے کبھی ماہنامہ، کبھی دو ماہی، کبھی سہ ماہی، اور کبھی اس سے زیادہ وقفے پر نکلتا رہا۔ البتہ درج ذیل شمارے شائع ہی نہیں ہوسکے، اس بات کو باقاعدہ ریکارڈ میں لانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) جون ۱۹۸۱ء سے جولائی ۱۹۸۲ء تک۔

(۲) جولائی ۱۹۸۳ء کا شمارہ۔

(۳) ستمبر ۱۹۸۳ء سے دسمبر ۱۹۸۴ء تک۔

(۴) اپریل ۲۰۰۶ء سے مارچ ۲۰۱۰ء تک۔

(۵) ماہنامہ ہونے کی صورت میں نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اکتوبر ۲۰۱۵ء کا شمارہ نہیں نکالا جاسکا، اوراب نومبر ۲۰۱۵ء سے یہ ''جریدہ حیات نو'' کے نام سے، جلد:ا، اور شمارہ:ا، کے ساتھ شائع کیا جارہاہے۔

حیات نو کی ادارت، منزل بہ منزل:

مختلف زمانوں میں حیات نو کے مدیر درج ذیل حضرات رہے:

(۱) ۱۹۷۸ء کے ایک دو شماروں پر جاوید اشرف فلاحی اور عبیداللہ فہد فلاحی کا نام بحیثیت مرتب شائع ہوا، دیگر شماروں پر یا تو مجلس ادارت کے طور پر کئی نام ہیں، یا کوئی نام نہیں ہے۔

(۲) ۱۹۷۹ء کے جملہ شماروں میں مدیر اور مرتب کا نام کہیں نہیں ہے، البتہ تمام شماروں میں مجلس ادارت کے طور پر متعدد نام موجود ہیں۔

(۳) جنوری وفروری ۱۹۸۰ء کے شماروں پر مدیر کا نام موجود نہیں ہے، البتہ مجلس ادارت کے طور پر کئی نام موجود ہیں۔ مارچ سے دسمبر تک بحیثیت مدیر عبیداللہ فہد فلاحی کا نام موجود ہے۔

(ابتدائی تین سالوں میں مدیر کا نام متعین طور سے نہیں لیا جاسکتا، البتہ اس وقت کے ذمہ داران سے رابطے کے بعد ادارہ حیات نو اس نتیجے تک پہنچا کہ ابتدائی چند شماروں میں جاوید اشرف صاحب مدیر اور عبیداللہ فہد صاحب معاون مدیر رہے، اور پھر چند شماروں کے بعد، جس کو متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا ہے عبیداللہ فہد فلاحی باقاعدہ مدیر ہوگئے، البتہ اس پورے عرصے میں اداریے عبیداللہ فہد فلاحی کے ہی شائع ہوئے، جبکہ شماروں میں اداریوں کے شروع یا آخر میں کسی کا نام بھی درج نہیں ہے۔)

(۴) ۱۹۸۱ء میں عبیداللہ فہد فلاحی مدیر رہے۔

(۵) طویل وقفہ کے بعد اگست ۱۹۸۲ء کا شمارہ شائع ہوا، اس میں مدیر کے طور پر سید راشد حامدی کا نام ہے، البتہ اس کے بعد دسمبر تک کے تمام شماروں میں نور محمد فلاحی مرحوم کا نام مدیر کے طور پر، جبکہ راشد حامدی کا نام مدیر معاون کے طور پر شائع ہوا۔ راشد حامدی اس وقت جامعہ کے فضیلت کے

درجات میں طالب علم تھے۔

(۶) جنوری تا جون ۱۹۸۳ء مدیر کے طور پر نور محمد فلاحی مرحوم اور معاون کے طور پر سید راشد حامدی کا نام شائع ہوا، جولائی کا شمارہ شائع نہیں ہوا، اور اگست میں معاون کے طور پر حافظ احسان الحق فلاحی کا نام شائع ہوا۔ اس کے بعد اس سال حیات نو بند ہو گیا۔

(۷) ۱۹۸۴ء میں ایک بھی شمارہ شائع نہیں ہوا۔

(۸) جنوری ۱۹۸۵ء سے حیات نو ایک طویل وقفے کے بعد دوبارہ طارق فارقلیط فلاحی مرحوم کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا، اور فروری ۱۹۸۸ء تک مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

(۹) مارچ ۱۹۸۸ء سے اکتوبر ۱۹۸۹ء تک ولی اللہ سعیدی فلاحی اس کے مدیر رہے، البتہ ان کی ادارت کے ابتدائی چند شماروں میں ان کا نام درج نہیں ہے، جبکہ اس پورے عرصے میں جملہ اداریے آپ کے لکھے ہوئے شائع ہوئے، جن پر باقاعدہ آپ کا نام بھی موجود ہے۔

(۱۰) نومبر ۱۹۸۹ء سے اکتوبر ۱۹۹۶ء تک محمد اسماعیل فلاحی مدیر رہے۔ اس دوران جولائی ۱۹۹۱ء سے اپریل ۱۹۹۶ء تک عبدالبر اثری فلاحی معاون مدیر رہے۔

(۱۱) نومبر ۱۹۹۶ء سے اپریل ۱۹۹۸ء تک نور محمد فلاحی مرحوم کا نام مدیر مسئول اور انیس احمد فلاحی کا نام معاون کے طور پر شائع ہوا۔ اس دوران مدیر کے طور پر کسی کا نام شائع نہیں ہوا، البتہ اداریے انیس احمد فلاحی کے شائع ہوئے۔

(۱۲) مئی ۱۹۹۸ء سے اگست ۲۰۰۰ء تک عبدالبر اثری فلاحی کا نام مدیر اور انیس احمد فلاحی کا نام ان کے معاون کے طور پر شائع ہوتا رہا۔

(۱۳) ستمبر ۲۰۰۰ء سے مارچ ۲۰۰۶ء تک انیس احمد فلاحی کا نام مدیر معاون، جبکہ ستمبر ۲۰۰۰ء سے اپریل ۲۰۰۱ء تک مدیر مسئول کے طور پر نور محمد فلاحی مرحوم کا نام ان کے انتقال کے بعد بھی ایک عرصے تک آتا رہا، اس کی کیا وجہ تھی، نہیں معلوم ہو سکا۔ البتہ مئی ۲۰۰۱ء سے مارچ ۲۰۰۶ء تک ابوالمکارم فلاحی ازہری کا نام مدیر مسئول کے طور پر شائع ہوا۔ اس کے بعد حیات نو کی اشاعت بند ہو گئی۔

(۱۴) اپریل ۲۰۱۰ء سے مارچ ۲۰۱۱ء تک زبیر ملک فلاحی مدیر رہے۔

(۱۵) اپریل ۲۰۱۱ء سے جون ۲۰۱۳ء تک انیس احمد فلاحی مدیر رہے۔

(۱۶) جولائی ۲۰۱۳ء سے ستمبر ۲۰۱۵ء تک ابوالاعلی سید سبحانی مدیر رہے۔

(۱۷) ماہانہ کیے جانے کی وجہ سے اکتوبر ۲۰۱۵ء کا شمارہ شائع نہیں کیا گیا۔ نومبر ۲۰۱۵ء سے سید راشد حامدی فلاحی مدیر مسئول اور ابوالاعلی سید سبحانی مدیر اعزازی ہوئے۔

حیات نو کا اشاریہ:

انجمن کے اجلاس عام کی مناسبت سے یہ فیصلہ بھی لیا گیا تھا کہ اس موقع سے حیات نو کا اشاریہ بھی تیار کرایا جائے گا۔ رضوان احمد فلاحی (لندن) کی رہنمائی میں مدیر حیات نو ابوالاعلی سید سبحانی نے اس کام کو شروع بھی کر دیا تھا، لیکن بوجوہ یہ کام نہیں ہوسکا، ان شاء اللہ جلد ہی اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔

''فکر وآگہی'' کی اشاعت:

اس مناسبت سے یہ فیصلہ بھی لیا گیا تھا کہ حیات نو کے خصوصی کالم ''فکر وآگہی'' کا اب تک کا مجموعہ شائع کیا جائے گا۔ الحمدللہ مدیر حیات نو ابوالاعلی سید سبحانی نے اس کی ترتیب وادارت کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی۔ اجلاس کے موقع پر اس کا اجراء عمل میں آئے گا، ان شاءاللہ۔

''ہمارے زمانے کا جامعہ'' کی اشاعت:

اس موقع سے یہ فیصلہ بھی لیا گیا تھا کہ حیات نو کے خصوصی کالم ''پرانی یادیں'' میں ''ہمارے زمانے کا جامعہ'' عنوان کے تحت شائع نسیم غازی فلاحی صاحب کی تحریر کو کتابچہ کی صورت میں اجلاس سے قبل شائع کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے موصوف سے گزارش کی گئی اور انہوں نے اس پر نظر ثانی بھی فرمائی، الحمدللہ اس کتاب کی طباعت کا کام بھی مکمل ہوگیا ہے، اجلاس عام کے موقع پر اس کا بھی اجراء عمل میں آئے گا، ان شاءاللہ۔

حکیم ایوب صاحب مرحوم کی حیات وخدمات پر کتاب کی تیاری:

اجلاس عام کے موقع پر جناب نعیم احمد غازی فلاحی کی کوششوں اور مدیر حیات نو ابوالاعلی سید سبحانی کے تعاون سے محسنِ جامعہ حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم کی حیات وخدمات پر بھی ایک کتاب کی اشاعت کا پروگرام ہے۔ طباعت کے مرحلے سے گزرنے کے بعد ان شاءاللہ اجلاس ہی کے موقع پر اس کا اجراء بھی عمل میں آئے گا۔